اگست ۱۹۹۰ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

- پرائیویٹ شریعت بل ۱۹۸۵ء سے نفاذ شریعت ایکٹ ۱۹۹۰ء تک
امیر تنظیم اسلامی کے حالیہ خطاب جمعہ کی تلخیص
- جناب نعیم صدیقی کا مکتوب اور اس کا جواب از ڈاکٹر اسرار احمد

یکے از مطبوعات

تنظیم اسلامی

سانحۂ کربلا

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی عزیمت و عظمت کی صحیح تصویر

شہیدِ مظلوم

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مناقب اور آپ کی مظلومانہ شہادت کے بیان پر جامع تالیف

- یہود نے عہدِ صدیقی رضؓ میں جس سازش کا بیج بویا تھا، آتش پرستانِ فارس کے جوشِ انتقام نے اسے تناور درخت بنا دیا۔
- وہ آج بھی قاتل خلیفۂ ثانی ابولؤلؤ فیروز مجوسی کی قبر کو متبرک سمجھتے ہیں
- علی مرتضیٰ رضؓ کی طرح حضرت حسین رضؓ بھی قاتلینِ عثمان رضؓ کی سازش کا شکار ہوئے
- سیّد الشہداء کون ہیں اور شہیدِ مظلوم کون ہے تاریخی حقائق کو سمجھنے کے لیے

امیر تنظیمِ اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

کی دو جامع اور مختصر مگر عام فہم اور محققانہ تاریخی کتابوں

کا مطالعہ کیجئے

قریبی بک سٹال سے طلب کیجئے یا ہم سے منگوائیے

دونوں کتابوں کے سیٹ کی مجموعی قیمت

صرف ۔/۱۱ روپے (سستا ایڈیشن ۔/۶ روپے)

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور

فون: ۸۵۶۰۰۳

ہفت روزہ

ندا

لاہور

کے مدیر اور ناشر

جناب اقتدار احمد

کے اس فیصلے کے بعد

کہ اسے پندرہ روزہ شائع کیا جائے گا اور

سیاسی کے بجائے تحریکی، دعوتی اور تنظیمی رُخ

پر ڈھال دیا جائے گا

ماہنامہ میثاق، کے خریداروں کو اس کے دو پرچے بطورِ نمونہ ارسال کیے گئے ہیں تاکہ

قارئینِ میثاق اور رفقاءِ تنظیم اسلامی

اس کے زیادہ سے زیادہ مستقل خریدار بنانے کی کوشش کریں

اور اس طرح یہ جریدہ جو

ع "خوش درخشید ولے شعلۂ مستعجل بود"

کا مصداق بننے سے بمشکل بچا ہے،

اقامتِ دین اور اسلامی انقلاب

کی جدّوجہد میں بھرپور کردار ادا کر سکے

ناظم شعبۂ نشرواشاعت تنظیمِ اسلامی پاکستان

تنظیم اسلامی پاکستان کے زیرِ اہتمام
مرکزی دفتر تنظیم اسلامی پاکستان میں منعقد ہونے والے

آئندہ پروگرام

(۱)

سہ روزہ خصوصی تربیت گاہ

۱۴ر اگست ۹۰ء نماز عصر تا ۱۷ر اگست ۹۰ء دوپہر

(اس میں وہ رفقاء شریک ہو سکیں گے جو پہلے ہفت روزہ مبتدی تربیت گاہ میں شرکت کر چکے ہیں)

(۲)

ہفت روزہ تربیت گاہ

۱۷ر اگست ۹۰ء سہ پہر تا ۲۳ر اگست ۹۰ء شام

(۳)

ہفت روزہ تربیت گاہ

۲۸ر ستمبر ۹۰ء سہ پہر تا ۴ر اکتوبر ۹۰ء شام

(۴)

توسیعی مشاورت

۶ر تا ۹ر اکتوبر ۹۰ء

تنظیم اسلامی کے طے شدہ مشاورتی نظام کے مطابق رفقاء کی آراء سے استفادہ کی خاطر اس میں رفقاء کے لیے
اظہارِ خیال کا موقع ہو گا۔

مزید برآں یہ طے پایا ہے کہ ان شاء اللہ العزیز

آئندہ سالانہ اجتماع

۲۲ر فروری ۹۱ء جمعۃ المبارک تا ۲۵ر فروری سوموار سہ پہر منعقد ہو گا!۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔

جلد: ۳۹

شمارہ: ۸

محرم الحرام ۱۴۱۱ھ

اگست ۱۹۹۰ء

فی شمارہ -/۵

سالانہ زرِ تعاون -/۵۰

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

SUBSCRIPTION RATES OVERSEAS

U S A US $ 12/=
c/o Dr Khursid A. Malik
SSQ 810 73rd street
Downers Grove I L 60516
Tel : 312 969 6755

c/o Mr. Rashid A. Lodhi
SSQ 14461 Maisano Drive
Sterling Hgts MI 48077
Tel : 313 977 8081

CANADA US $ 12/=
c/o Mr. Anwar H. Qureshi
SSQ 323 Rusholme Rd # 1809
Toronto Ont M6H 2 Z 2
Tel : 416 531 2902

UK & EUROPE US $ 9/=
c/o Mr. Zahur ul Hasan
18 Garfield Rd Enfield
Middlessex EN 34 RP
Tel : 01 805 8732

MID-EAST DR 25/=
c/o Mr. M. Ashraf Faruq
JKQ P.O. Box 27628
Abdu Dhabi
Tel : 479 192

INDIA US $ 6/=
c/o Mr. Hyder M. D. Ghauri
AKQI 4-1-444, 2nd Floor
Bank St Hyderabad 500 001
Tel : 42127

K S A SR 25/=
c/o Mr. M. Rashid Umar
P O. Box 251
Riyadh 11411
Tel : 476 8177

JEDDAH (only) SR 25/=
IFTIKHAR-UD-DIN
Manarah Market,
Hayy-ul-Aziziyah,
JEDDAH.
TEL: 6702180

D.D./Ch. To, Maktaba Markazi Anjuman Khudam ul Quran Lahore.
U B L Model Town Ferozpur Rd Lahore.

ادارۂ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور (رجسٹرڈ)

مقامِ اشاعت: ۳۶- کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰ - فون: ۸۵۶۰۰۳-۸۵۶۰۰۴

سب آفس: ۱۱- داؤد منزل نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت کراچی - فون: ۲۱۶۵۸۶

پبلشرز: لطف الرحمٰن خان طابع: رشید احمد چودھری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

عرضِ احوال ———— ۵

عاکف سعید

'فاین تذھبون' ———— ۹

پرائیویٹ شریعت بل ۸۵ءسے نفاذِ شریعت ایکٹ ۹۰ءتک

امیرِ تنظیم اسلامی کے حالیہ خطابِ جمعہ کی تلخیص

تذکرہ وتبصرہ ———— ۲۳

اجتماعی توبہ کی ضرورت واہمیت اور اس کی ممکنہ عملی صورت

ڈاکٹر اسرار احمد

الہُدیٰ (قسط ۶۷) ———— ۵۳

'شہادت علی الناس' سورۃ الحج کے آخری رکوع کی روشنی میں (۴)

ڈاکٹر اسرار احمد

مکتوبِ گرامی جناب نعیم صدّیقی ———— ۶۵

اور اس کا جواب از ڈاکٹر اسرار احمد

اقتباس از 'شہادتِ حق' ———— ۷۶

مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم

رفتارِ کار ———— ۸۱

تنظیم اسلامی لاہور کے تحت ایک روزہ دعوتی تربیتی پروگرام

مرتب: مرزا ایوب بیگ

موجودہ سیاسی صورتِ حال اور ھمارا موقف ———— ۸۴

امیرِ تنظیم اسلامی کے خطاباتِ جمعہ کے پریس ریلیز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ احوال

امیرِ تنظیمِ اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب حسبِ پروگرام ۲ جولائی کو بیرونِ ملک سفر سے واپس تشریف لے آئے تھے۔ یہ سفر اس اعتبار سے سابقہ تمام اسفار سے ممتاز تھا کہ اس میں پہلی بار امیرِ محترم کو سپین جانے کا موقع ملا۔ بلاشبہ یہ ایک خداداد موقع تھا جس سے فائدہ نہ اٹھانے کی بظاہر کوئی وجہ نہ تھی۔ امیرِ تنظیم بہت گہرے تأثرات کے ساتھ اور بوجھل دل لے کر اس سفر سے واپس لوٹے۔ ۴ جولائی کے مختصر خطابِ عید میں سفرِ سپین کے تأثرات ہی اُن کا موضوع تھا۔ پھر ۶ جولائی کے خطابِ جمعہ میں اسی موضوع پر قدرے تفصیل سے گفتگو ہوئی اور اس سے اگلے جمعہ کو بھی موضوعِ خطاب یہی رہا۔ اپنی کتاب 'استحکامِ پاکستان اور مسئلۂ سندھ' میں وہ اس سے پہلے بھی مسلم انڈیا کی تاریخ اور مسلم سپین کی تاریخ کے مابین اس حیرت انگیز مشابہت کا تذکرہ کر چکے ہیں کہ ایک ہی سال میں یعنی ۹۳ھ میں اسلام برعظیم پاک و ہند میں سندھ کے راستے اور برِّاعظم یورپ میں اسپین کے راستے داخل ہوا تھا۔ اسی حوالے سے انہوں نے اپنی کتاب کے ابتدائی صفحات میں اس خدشے کا اظہار بھی کیا تھا کہ سپین سے اسلام کے خاتمے کو تو تین سو برس بیت چکے ہیں، اِدھر سندھ میں سیاسی حقوق کی آڑ میں جس طرح مخالفِ اسلام جذبات کو ہوا دی جا رہی ہے، تو شدید اندیشہ ہے کہ کہیں یہ برعظیم پاک و ہند سے اسلام کے خاتمے کا نقطۂ آغاز نہ بن جائے! اس لیے کہ محترم ڈاکٹر صاحب کا یہ احساس تھا کہ موجودہ پاکستان برعظیم پاک و ہند میں اسلام کے آخری حصار کی حیثیت رکھتا ہے اور سندھ کے داخلی حالات پاکستان کے استحکام کے لیے شدید خطرہ ہیں۔ دوسری جانب ہندومت کے احیاء کی پرزور تحریک ہندوستان میں قدم جما چکی ہے۔ چنانچہ سندھ کے معاملے کو اس پورے تناظر میں دیکھا جائے تو یہ محض کوئی علاقائی مسئلہ نہیں رہتا بلکہ درحقیقت برعظیم پاک و ہند میں اسلام کا مستقبل اسی خطے سے وابستہ نظر آتا ہے۔

اِس حالیہ سفر کے نتیجے میں امیرِ تنظیم کے یہ مذکورہ بالا تأثرات پہلے سے کہیں زیادہ

گہرے اور شدید ہو چکے ہیں مسلم انڈیا اور مسلم سپین کی تاریخوں میں مشابہت کے کئی اور پہلو بھی اس بار امیر محترم کے مطالعہ میں آئے ہیں جن کا ذکر انہوں نے تفصیل کے ساتھ اپنے خطاباتِ جمعہ میں کیا ہے۔ پھر اسپین سے اسلام کا خاتمہ جن حالات میں ہوا اُن کا مطالعہ بھی ہمارے لیے عبرت کا بہت کچھ سامان اپنے اندر رکھتا ہے —— خیال یہ تھا، اور گذشتہ شمارے میں اس ارادے کا اظہار بھی کیا گیا کہ امیر تنظیم کے سفر سپین کے تاثرات کا ایک خلاصہ تازہ شمارے میں شائع کیا جائے لیکن چونکہ 'ندا' کی ۳۱ جولائی ۹۰ء کی اشاعت نے اِس ضرورت کو کماحقہ' پورا کر دیا ہے کہ اس میں اس موضوع سے متعلق امیرِ محترم کے تمام خطابات کو مرتب کر کے ایک جامع مضمون کی صورت میں شائع کر دیا گیا ہے' اور 'ندا' کا مطالعہ چونکہ 'میثاق' کے اکثر قارئین کے معمول میں شامل ہے۔ لہٰذا 'میثاق' میں اس مضمون کا اعادہ ضروری نہیں سمجھا گیا۔ امیر تنظیم کے اِس خطاب کو کتابچہ کی شکل میں شائع کرنا بھی ہمارے پروگرام میں شامل ہے۔

پاکستان کے موجودہ حالات میں جبکہ عافیت کی بظاہر کوئی راہ سجھائی نہیں دیتی اور صورتِ حال کی بہتری کی جانب جانے والا ہر راستہ بند نظر آتا ہے' اجتماعی توبہ کی ضرورت کا احساس ہر دردمند مسلمان کو ہے۔ چنانچہ ۲۰ جولائی کے خطابِ جمعہ میں امیر محترم نے 'اجتماعی توبہ کی ضرورت و اہمیت اور اس کی ممکنہ عملی صورت' کو موضوعِ گفتگو بنایا۔ اس موضوع کے متعدد ضمنی گوشے بھی بڑی وضاحت سے اس خطاب کے ذریعے سامعین کے سامنے آئے۔ اس خطاب کی اہمیت اور افادیت کو تمام شرکاءِ اجتماع نے محسوس کیا۔ چنانچہ اسے مرتب کر کے یکجا اسی شمارے میں شائع کیا جا رہا ہے۔

قرآن کالج میں بی اے کلاس اور 'ایک سالہ کورس' کے داخلے شروع ہو گئے ہیں۔ اس ضمن میں مفصل اعلان بشکلِ اشتہار اسی شمارے میں شامل ہے۔ خواہشمند حضرات اسے نظر سے ضرور گزار لیں! —— امیر تنظیم اسلامی کے ۳ اگست کے خطابِ جمعہ کو جس میں وقت کے ایک اہم اور نازک مسئلے یعنی شریعت بل کا معاملہ ایک بھرپور اور متوازن تجزیئے کی صورت میں تفصیل سے زیرِ بحث آیا تھا، ہنگامی طور پر مرتب کر کے اسی شمارے میں شامل کر دیا گیا ہے۔ توقع ہے کہ یہ خطاب مفصل انداز میں 'ندا' کی آئندہ اشاعت کی زینت بنے گا۔

قرآن کالج لاہور

اعلان داخلہ
برائے بی اے کلاس

موجودہ انحطاط پذیر معاشرے میں ایک مثالی درس گاہ

چند خصوصیات

- پنجاب یونیورسٹی کے نصاب کے عین مطابق طلبہ کے لیے بہتر تعلیمی سہولت فراہم کی گئی ہے۔
- قرآن حکیم کے منتخب مقامات اور عربی زبان کی اضافی تعلیم کے ذریعے "رجوع الی القرآن" کا شعور بیدار کرنے میں یہ کالج اہم کردار ادا کرتا ہے۔
- اس طرح قرآن کالج دراصل دنیوی اور دینی تعلیم کا ایک حسین سنگم ہے۔
- قرآن کالج میں تدریسی عمل پوری سنجیدگی، شائستگی اور تسلسل کے ساتھ قریباً سارا سال جاری رہتا ہے۔
- سنجیدہ اور محنتی طلبہ کے لیے قرآن کالج ہنگاموں سے پاک پرسکون تعلیمی ماحول اور بہتر تعلیمی مواقع فراہم کرتا ہے

اعلانات

- بی اے میں داخلہ کے لیے فارم جمع کرانے کی آخری تاریخ ۱۵ اگست ۹۰ء ہے۔
- داخلہ کے لیے انٹرویو ۲۱ اگست ۹۰ء کو ہوں گے اور تعلیم کا آغاز یکم ستمبر ۹۰ء سے ہوگا۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)
- گریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ حضرات کے لیے "دینی تعلیم کے ایک سالہ کورس" میں داخلہ بھی مذکورہ بالا تاریخوں کے مطابق ہوگا۔

(صفحے کی پشت پر دیکھئے)

طلبہ کا مستقبل

- مستقبل میں شریعت لاء میں ایل۔ ایل۔ بی کرنے والوں کے لیے بہت روشن مواقع موجود ہیں۔ قرآن کالج سے گریجویشن کرنے والے طلبہ کے پاس پنجاب یونیورسٹی کی ڈگری کے ساتھ قرآن اور عربی کا علم بھی ہوگا۔ اس لیے انہیں دوسروں پر واضح برتری حاصل ہوگی۔
- سنجیدہ اور محنتی طلبہ قرآن کالج کے تعلیمی ماحول سے فائدہ اٹھا کر اپنی صلاحیتوں کو نکھار سکتے ہیں اور مقابلہ کے امتحانوں میں دوسروں پر برتری حاصل کر سکتے ہیں۔
- قرآن کالج کی کوشش ہے کہ وہ پاکستان سول سروس کو ایسے افسران مہیّا کرے جو اپنے علم اور کردار کی بنیاد پر روشن مثالیں قائم کر سکیں۔
- قرآن کالج کی یہ بھی کوشش ہے کہ کالجوں اور یونیورسٹیوں کو ایسے اساتذہ مہیّا کرے جو تدریس کے ساتھ ساتھ طلبہ کی کردار سازی کا اہم فریضہ بھی سرانجام دیں جس کی صحیح خطوط پر بجا آوری قرآنی علوم کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

اہم نوٹ

F.S.C کے وہ طلبہ جو میڈیکل یا انجنیئرنگ میں اتنے نمبر حاصل نہیں کر سکے کہ انہیں M.B.B.S یا B.E میں داخلہ مل سکے، انہیں اور ان کے والدین کو خصوصیت سے ہماری گزارشات پر غور کر کے مستقبل کا فیصلہ کرنا چاہیئے۔ آپ کے علم میں یقیناً یہ صورتِ حال بھی ہوگی کہ اب متعدد M.B.B.S اور B.E پاس طلبہ بھی CSS کے امتحان میں شریک ہوتے ہیں اور کامیابی کی صورت میں CSP آفیسر بننے کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان حالات میں قرآن کالج کے تعلیمی ماحول سے فائدہ اٹھانا یقیناً ایک بہتر اور روشن مستقبل کا ضامن فیصلہ ہوگا۔

نوٹ: مزید تفصیلات اور داخلہ فارم کے لیے دس روپے ادا کر کے پراسپکٹس حاصل کریں۔

فَاَیْنَ تَذْهَبُوْنَ؟

○

پرائیویٹ شریعت بل ۱۹۸۵ء سے
نفاذِ شریعت ایکٹ ۱۹۹۰ء تک

○

ع "دیکھیں کیا گزرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک"!

○

ڈاکٹر اسرار احمد

امیر تنظیمِ اسلامی

کے خطابِ جمعہ (۳ اگست ۹۰ء)

کی تلخیص و تبییض، بعض اضافوں کے ساتھ

○

از: حافظ عاکف سعید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۳؍ مئی ۱۹۹۰ء کو پاکستان کی پارلیمنٹ کے ایوانِ بالا (سینٹ) میں "قانونِ نفاذِ شریعت ۱۹۹۰ء" کے باتفاقِ رائے منظوری کے بعد وطنِ عزیز میں نفاذِ شریعت کا مسئلہ ایک بار پھر گرما گرم بحث و نزاع اور شدید ردّو قدح کا موضوع بن گیا ہے' جس سے پوری قوم واضح طور پر دو متحارب فریقوں میں تقسیم ہوتی نظر آ رہی ہے۔ اور اُن کے مابین علمی مقالات کے علاوہ' اخباری بیانات اور جوشیلی تقاریر کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے' جن میں دو طرفہ طور پر عوامی جذبات کو مشتعل کرنے کی کوشش پر مستزاد دھمکیاں اور جوابی دھمکیاں بھی شامل ہیں۔

چنانچہ ایک جانب غیر مسلم اقلیتوں کے علاوہ' مرکزی حکومت' پاکستان پیپلز پارٹی' بائیں بازو کے عناصر' سیکولر رجحانات کے حامل دانشور' اور 'آخرین لیکن کمترین نہیں' (Last But Not The Least) کے مصداق مغربی تہذیب کی دلدادہ خواتین ہیں ـــــــ تو دوسرے کیمپ میں اسلامی جمہوری اتحاد میں شامل جملہ سیاسی اور مذہبی جماعتوں کے علاوہ دیگر مذہبی جماعتوں کی غالب اکثریت' علماءِ کرام کا تقریباً پورا طبقہ' اور مذہب کے ساتھ جذباتی لگاؤ رکھنے والے عوام بھاری تعداد میں شامل ہیں' جن میں سے اگر کسی طبقے کو بحیثیتِ مجموعی منہا کیا جا سکتا ہے تو وہ صرف اہل تشیُّع ہیں!

متذکرہ بالا مقدّم الذکر فریق میں سے غیر مسلم اقلیتوں' یعنی عیسائیوں اور قادیانیوں کا معاملہ تو اظہر من الشمس ہے جس پر کسی تبصرے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ البتّہ نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بقیہ تمام مسلمان عناصر کے طرزِ عمل کے ڈانڈے اکثر و بیشتر منافقت اور بعض حالات میں صریح کفر سے جا ملتے ہیں۔ چنانچہ وزیر اعظم بے نظیر بھٹو اور ان کے بعض دیگر وزراء و رفقاءِ کار اور ویمن ایکشن فورم اور اس قبیل کی تنظیموں سے وابستہ بیگمات کے وہ بیانات جن میں شرعی حدود و تعزیرات کا استہزاء اور استخفاف کیا گیا ہے' کفرِ صریح کے درجہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ اس ضمن میں ہم نے پہلے بھی عرض کیا تھا (اگرچہ اخبارات نے نامعلوم اسباب کی بنا پر اس کی رپورٹنگ نہیں کی) اور اب پھر پورے خلوص و اخلاص اور خیر خواہی کے جذبہ کے تحت عرض ہے کہ ایسے تمام حضرات و خواتین کو تنہائی میں

اللہ تعالےٰ کی جناب میں توبہ و استغفار کرنا چاہئے' اور قوم کے سامنے اعلانیہ طور پر اپنے ایسے بیانات سے رجوع کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ اِسی میں نہ صرف یہ کہ اُن کی دینی اور اخروی بھلائی مضمر ہے' بلکہ دنیوی اور سیاسی خیریت بھی پوشیدہ ہے۔

اس سلسلہ میں یہ حقیقت نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونی چاہئے کہ پاکستان۔ "اپنی ملّت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر' خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ!" کا مصداقِ کامل ہے اور دنیا کا کوئی دوسرا ملک اس کا مثیل نہیں ہے۔ چنانچہ اسلام ہی اس کی اصل اساس اور واحد وجہِ جواز (Raison-De-Etre) ہے لہٰذا اس منزلِ مقصود سے انحراف کے نتیجے میں یہ ختم تو ہو سکتا ہے اس کے رخ کو موڑا نہیں جاسکتا! اور۔ "جو کرے گا امتیازِ رنگ و خوں مٹ جائے گا۔ ترکِ خرگاہی ہو یا اعرابیٔ والا گہر!" کے مصداق جو بھی اس کی کوشش کرے گا' ان شاء اللہ العزیز' خود حرفِ غلط کی طرح مٹ کر رہ جائے گا!

اسی طرح بعض اصحابِ علم و دانش' اور اربابِ فکر و نظر نے جن میں بعض ماہرینِ دستور و قانون کے علاوہ چند ریٹائرڈ جج حضرات بھی شامل ہیں' یہ قدیم اور قدرے پیچیدہ بحث چھیڑ دی ہے کہ عہدِ حاضر کے محبوب و مقبول تصوّر اور 'روحِ عصر' کے ناگزیر تقاضے یعنی "حاکمیتِ عوام" کا پیوند اللہ تعالیٰ کی اُس حاکمیّتِ مطلقہ کے ساتھ کیسے لگایا جائے جس کا واضح اقرار اور صریح اعلان قراردادِ مقاصد میں کیا گیا ہے۔ اور اِس ضمن میں بھی نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بجائے اس کے کہ اس گتھّی کو سلجھایا جائے مزید الجھانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

اس سلسلہ میں مرکزی وزراء اور بائیں بازو کے سیاسی زعماء کے اخباری بیانات کے علاوہ پاکستان کے فاضل اٹارنی جنرل جناب یحییٰ بختیار' عدالتِ عظمیٰ کے ریٹائرڈ چیف جسٹس جناب یعقوب علی خان' عدالتِ عالیہ کے جسٹس (ریٹائرڈ) جناب عطاء اللہ سجّاد اور پشاور یونیورسٹی لاء کالج کے استاد ڈاکٹر فقیر حسین کے مقالات میں عوام کے اقتدارِ اعلیٰ اور اُن کے منتخب نمائندوں پر مشتمل پارلیمنٹ کی بالادستی کی دہائی جس انداز سے دی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات مسئلے کو خالصتاً مغرب کی لادینی جمہوریت کے تصورات کی عینک سے دیکھ رہے ہیں اور دستورِ پاکستان کی اُن شقوں کو محض علامتی اور تبرکاتی چیزیں سمجھتے ہوئے

نظر انداز کر رہے ہیں جن کی رُو سے ریاستِ پاکستان محض جمہوریہ نہیں بلکہ 'اسلامی جمہوریہ' قرار پائی ہے۔ جبکہ ان شقوں کا دستور میں ثبت ہونا محض حادثاتی طور پر نہیں بلکہ پاکستان کے مسلمان عوام کے منشاء کے عین مطابق اور رائے عامّہ کے شدید دباؤ کے باعث ہوا ہے۔ اور ان کے ذریعے عوام نے اپنی خود مختاری اور حاکمیت کو اپنی آزاد مرضی اور منشاء سے اللہ تعالیٰ کی حاکمیتِ مطلقہ کے تابع' اور اس کی نازل کردہ حدود کا پابند اور اپنے اختیارِ قانون سازی کو قرآن و سنّت کے دائرے میں محدود کر لیا ہے! چنانچہ یہ امور نہ صرف یہ کہ اصولی اعتبار سے قراردادِ مقاصد میں مذکور ہیں (جس کی حیثیت اب دستور کے صرف دیباچے کی نہیں بلکہ دستور کی شق نمبر ۲ الف کی رُو سے اس کے جزوِ لاینفک کی ہے) بلکہ صراحت اور تفصیل کے ساتھ دستور کے حصّہ اوّل میں شامل شق ۲' حصّۂ ہفتم کے بابِ سوم (الف) اور حصّہ نہم میں تفصیلاً ثبت ہو چکے ہیں! ــــــــ لہٰذا جمہوریہ اسلامیہ پاکستان کے دستوری معاملات و مسائل کو دنیا کی مروّجہ لادینی جمہوریت کے تصوّرات کی عینک سے دیکھنا بنیادی طور پر غلط ہے۔ اور دیانت کا تقاضا ہے کہ یا تو دستور کی متذکرہ بالا شقوں کو دستور سے نکال دیا جائے ورنہ پوری توجہ کو خلوص کے ساتھ اس امر پر مرکوز کیا جائے کہ اسلام اور جمہوریت کے تقاضوں کو کیسے ہم آہنگ کیا جائے اور اُن دونوں کی چُولیں کیسے ٹھیک بٹھائی جائیں!

اب ظاہر ہے کہ 'حدود اللہ' کی پہچان ایک علمی مسئلہ ہے' اور اس امر کا فیصلہ کسی معاملے میں کتاب و سنّت کی حدود سے تجاوز ہوا ہے یا نہیں' شریعتِ اسلامی کے پختہ اور راسخ علم کے بغیر ممکن نہیں۔ چنانچہ یہ معاملہ نہ تو عوامی جلسوں میں طے کیا جا سکتا ہے' نہ ایسے ممبرانِ پارلیمنٹ کی صوابدید پر چھوڑا جا سکتا ہے جو کتاب و سُنّت کے علم سے تہی دست ہوں۔ لہٰذا اس اشکال کے حل کی تین ہی ممکن اور منطقی صورتیں ہیں:

ایک یہ کہ اس کا اہتمام کیا جائے کہ پارلیمنٹ میں صرف ایسے لوگ شامل ہوں جو کتاب و سنّت میں مجتہدانہ بصیرت کے حامل ہوں۔ لہٰذا اس غرض کے لئے اوّل تو ممبرانِ پارلیمنٹ کے انتخاب کے لئے ووٹ کا حق بھی صرف ان لوگوں کو دیا جائے جو کتاب و سنّت کا علم رکھتے ہوں' ورنہ کم از کم اس انتخاب میں امیدوار بننے کے لئے تو کتاب و سنّت کے پختہ علم اور گہرے فہم کو شرطِ لازم قرار دیا جائے ــــــــ اس صورت میں ظاہر ہے کہ 'روحِ عصر' یعنی تقاضائے جمہوریت بالکل پامال ہو جاتا ہے! لہٰذا جمہوریت کی "نیلم پری" کے

پرستار اسے ہرگز قبول نہیں کرسکتے!

دوسرے یہ کہ شریعت کے ماہرین اور "حُدُودَ مَآ اَنزَلَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُولِہٖ" (سورۃ التوبہ: آیت ۹۷) کے پختہ علم و فہم اور گہری مجتہدانہ بصیرت رکھنے والے علماء پر مشتمل ایک بورڈ بنادیا جائے اور پارلیمنٹ سے منظور شدہ ہر قانون کے نافذ العمل ہونے کے لئے اس بورڈ کی منظوری کو شرطِ لازم قرار دیا جائے ـــــــ اس صورت میں تھیا کریسی یعنی ایک مذہبی طبقے کی حکومت وجود میں آتی ہے ـــــــ جو نہ صرف یہ کہ روحِ عصر کے منافی ہے بلکہ کم از کم اہل سنّت و الجماعت کے اساسی دینی تصوّرات سے بھی کوئی مناسبت نہیں رکھتی ـــــــ مزید برآں اس کی واضح اور پُرزور نفی مصوّرِ پاکستان علّامہ اقبال اور معمارِ پاکستان قائدِ اعظم محمد علی جناح دونوں نے کی تھی!

اب واحد ممکن راستہ تیسرا رہ جاتا ہے یعنی یہ کہ اس امر کا فیصلہ کہ آیا کسی معاملے میں قرآن و سنّت سے تجاوز ہوا ہے یا نہیں، اعلیٰ عدالتوں کے حوالے کیا جائے جہاں اوّلاً تو جج حضرات بھی شریعتِ اسلامی کے ماہر ہو سکتے ہیں (اور تدریجاً ایسا ہونا یقینی ہے) ورنہ ماہرینِ شریعت اور علمائے کتاب و سنّت جج حضرات کی مدد کرسکتے ہیں اور اس طرح پرسکون ماحول میں تحقیق و تفتیش اور بحث و تمحیص کے جملہ تقاضے پورے کئے جاسکتے ہیں۔

یہ بات ویسے بھی ہر اعتبار سے معقول اور منطقی ہے۔ اس لئے کہ کسی ریاست کے دستورِ اساسی میں شہریوں کے جو حقوق معیّن ہوتے ہیں اُن کی محافظ و ضامن عدلیہ ہوتی ہے، چنانچہ اگر کہیں انتظامیہ یا مقنّنہ کوئی ایسا قدم اٹھائیں جس سے اُن اساسی حقوق پر زد پڑتی ہو تو اعلیٰ عدالتوں سے چارہ جوئی کی جاتی ہے جو شہریوں کو اُن کا حق دلواتی ہیں۔ اِسی طرح اسلامی ریاست میں اللہ کا حاکمیّتِ مطلقہ کا حق بھی دستور میں ثبت ہوتا ہے جس کی رُو سے کوئی قانون سازی کتاب و سنّت کے منافی نہیں کی جاسکتی ـــــــ اب اگر مقنّنہ اس سے تجاوز کرتی ہے تو اِس صورت میں عدلیہ کا حق ہی نہیں، فرض بنتا ہے کہ اللہ کے حق پر آنچ نہ آنے دے اور ہر ایسے قانون کو کالعدم قرار دے دے جو حدود اللہ کی خلاف ورزی کرتا ہو! گویا حضرتِ مسیح علیہ السّلام سے منسوب الفاظ کے مطابق عدلیہ کا فرضِ منصبی یہ ہے کہ بمصداق الفاظِ قرآنی "فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ" (سورۂ نساء: آیت ۵۹) اللہ اور رسول کا حق انہیں لوٹائے اور عوام کا حق انہیں دلوائے!!

دستورِ پاکستان کے حصّہ ہفتم کا باب سوم (الف) درحقیقت اسی راہ کی جانب تدریجی پیش قدمی کا مظہرِ اوّل ہے ــــــ اور اب ضرورت اس امر کی ہے کہ پورے خلوص و اخلاص کے ساتھ ایک جانب تو اس پیش قدمی کو جاری رکھا جائے چنانچہ اوّلاً فیڈرل شریعت کورٹ کے دائرہ کار پر جو حدود عائد ہیں انہیں دور کر کے ملک کے پورے دستوری و قانونی ڈھانچے کو اس کے تابع کیا جائے' اور ثانیاً یا تو اس کے وقار کو بلند کر کے عام عدلیہ کے مساوی کیا جائے' ورنہ اس کی جداگانہ حیثیت ختم کر کے اسے عام عدلیہ ہی میں ضم کر دیا جائے ــــــ اور دوسری جانب اِس وقت تک جو امور دستور کی رُو سے فیڈرل شریعت کورٹ کے دائرہ کار میں آ چکے ہیں ان کے ضمن میں جو فیصلے ہوں ان پر پوری نیک نیتی کے ساتھ عمل کیا جائے اور اس طرح جس قدر پیش قدمی بھی ترویج و تنفیذ شریعت میں کی جا سکتی ہو اس کا راستہ روکنے کی کوشش نہ کی جائے۔

لیکن افسوس کہ پیپلز پارٹی کی حکومت نے ثابت کر دیا ہے کہ ترویج و تنفیذِ شریعت کے ضمن میں کوئی پیش قدمی تو درکنار وہ موجودہ دستور کے حصّہ ہفتم کے باب سوم (الف) پر بھی نیک نیتی کے ساتھ عمل کرنے کے لئے تیار نہیں اور تاخیری حربوں کے ذریعے اُس کا راستہ روکنے پر تُلی ہوئی ہے۔ چنانچہ اس کا واضح ثبوت مقدمہ وفاقِ پاکستان بنام گل حسن (پی ایل ڈی ۱۹۸۹' ایس سی ۶۳۳) میں سامنے آ گیا ہے۔ جس کے ضمن میں اوّلاً فیڈرل شریعت کورٹ اور بالآخر سپریم کورٹ کے شریعت بنچ نے اپنے فیصلے مورخہ ۵ر جولائی ۱۹۸۹ء میں پاکستان کے بعض فوجداری قوانین کو کتاب و سنّت کے خلاف قرار دیتے ہوئے اُن کے کالعدم ہونے کے لئے ۲۳ر مارچ ۱۹۹۰ء کی تاریخ مقرّر کر دی اور واضح رہے کہ یہ ہفت خواں دس برس میں طے ہوا۔ اب دستور کی دفعہ ۲۰۳ ڈی کی ذیلی شق (۳) اے کی رُو سے یہ ذمہ داری وفاقی حکومت کی تھی کہ وہ اِس خلا کو پُر کرنے کے لئے قانون سازی کرتی۔ لیکن اُس نے اس ذمہ داری کو پورا کرنے میں تاخیر و تعویق کی راہ اختیار کی اور ۱۸ر فروری ۱۹۹۰ء کو فیصلے پر نظرِ ثانی اور مہلتِ تنفیذ میں اضافے کی درخواستیں دائر کر دیں جو ۱۴ر مارچ کو عدالتِ عظمٰی کے زیرِ غور آئیں۔ نتیجۃً عدالت نے صرف مہلتِ تنفیذ میں ۳۰ر مئی ۱۹۹۰ء تک کا اضافہ کر دیا۔ وفاقی حکومت نے اس عرصے میں بھی اپنے اصل کام یعنی متبادل قانون سازی کی طرف

کوئی توجہ نہ دی بلکہ عین مہلتِ تنفیذ کے خاتمے کے دن مہلت میں مزید توسیع کے لئے ایک نئی درخواست دائر کردی۔ عدالتِ عظمٰی نے معاملے کی اہمیت کے پیش نظر سینئر وکلاء کو مشورے کے لئے طلب کیا اور ۶ر جون کی تاریخ حتمی فیصلے کے لئے معیّن کردی ـــــــــ لیکن اس بار پھر ۵ر جون کو وفاقی حکومت کے وکیل نے توسیعِ مزید کی درخواست دائر کردی جس سے ایک ہنگامی صورتِ حال پیدا ہوگئی جس پر قابلِ احترام چیف جسٹس صاحب نے ہر ممکن کوشش کی کہ کسی طرح سپریم کورٹ کے شریعت بنچ کا اجلاس ہو سکے لیکن جب یہ کسی طرح ممکن نہ ہو سکا تو بالآخر مجبورًا ۶ر جون ۱۹۹۰ء کو "تاحکم ثانی توسیعِ مدّت" کا فیصلہ صادر فرمادیا۔

اِس داستان میں پیپلز پارٹی کی وفاقی حکومت کی نیّت اور ارادے کا صاف اور صریح اظہار ہو رہا ہے کہ تنفیذ و ترویجِ شریعت میں پیش قدمی تو درکنار دستور میں ثبت شدہ عمل کو بھی آگے بڑھنے سے روکنے کی ہر ممکن کوشش کر رہی ہے۔

اِس تصویر کا دوسرا رخ بھی کوئی زیادہ قابلِ اطمینان ـــــــــ یا حوصلہ افزا نہیں ہے' اس ضمن میں اس سے قطع نظر کہ "شریعت بل" کو اُس مسلم لیگ نے گود لے کر اقتدار کی جنگ کا ہتھیار بنا لیا ہے جو خود اپنے دورِ اقتدار میں اس کی شدید مخالف تھی' سینٹ میں اس کی منظوری کے دوران میں (گویا "قطرے کے گہر ہونے تک!" کے عرصے میں) اس کی ایسی 'مرمت' بھی کردی گئی ہے جس سے اس کی ماہیت بالکل بدل کر رہ گئی ہے اور یہ بِل عیاذًا باللہ "اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ" کا مصداقِ کامل بن گیا ہے۔

ہر شخص جانتا ہے کہ وطنِ عزیز اِس وقت ایک جانب خارجی خطرات سے پوری شدّت کے ساتھ دوچار ہے تو دوسری جانب داخلی طور پر گوناگوں نوعیت کی محاذ آرائیوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔ اس میں ایک طرف مرکزی حکومت کی سطح پر پی پی پی اور سی او پی کی محاذ آرائی ہے' تو دوسری طرف پنجاب میں پی پی پی اور آئی جے آئی کی کشمکشِ اقتدار ہے' تیسری جانب وفاقی حکومت اور پنجاب اور بلوچستان کی صوبائی حکومتوں کے مابین رسّہ کشی ہے' چوتھی محاذ آرائی مذہبی میدان میں اہل سنّت اور اہل تشیّع کے مابین ہے' جس کا مظہرِ اتم یہ ہے کہ امسال عاشورۂ محرّم کے لئے وہ اہتمام کیا گیا جو کسی جنگ یا اُس جیسی دوسری ہنگامی صورتِ حال کے لئے کیا جاتا ہے' ـــــــــ اور پانچویں اور سب سے خوفناک محاذ آرائی سندھ میں نئے اور پرانے

سندھیوں کے مابین جاری ہے جس میں نفرت و انتقام کے جذبات شدّت کی انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں ـــــــ جس کے نتیجے میں وادیٔ مہران اور باب الاسلام سندھ نے ایک ایسے آتش فشاں کی صورت اختیار کرلی ہے جو نہ معلوم کب پھٹ پڑے اور نہ صرف یہ کہ پاکستان کو ٹکڑے ٹکڑے کردے بلکہ بالکل ہسپانیہ کے مانند جنوبی ایشیا سے اسلام اور مسلمانوں کے کُلّی خاتمے کا پیش خیمہ بن جائے۔ اعاذنا اللہ من ذالک!

اِن حالات میں عوامی سطح اور ملک گیر پیمانے پر شریعت کے حامیوں اور مخالفوں کے مابین محاذ آرائی ملک کے لئے شدید خطرے کا باعث ـــــــ اور اونٹ کی کمر کے آخری تنکے کا مصداق بن سکتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہمیں یہ کشاکش اور زور آزمائی بھی گوارا ہی نہیں خوش آئند نظر آتی اگر اس کے نتیجے میں دینِ حق کے واقعی غلبے اور شریعتِ اسلامی کی حقیقی ترویج و تنفیذ کی صورت نظر آ رہی ہوتی۔ لیکن ع "اے بسا آرزو کہ خاک شدہ!" کے مصداق، اس سے قطع نظر کہ موجودہ شریعت بل کشمکشِ اقتدار کے ساتھ بری طرح نتھی ہوگیا ہے ـــــــ جس شکل میں اسے سینٹ کی قبولیت اور پذیرائی حاصل ہوئی ہے اس نے ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا ہے ـــــــ اور اس تلخ حقیقت کو لنز شرِ نومبر ہن اور واشگاف کردیا ہے کہ موجودہ انتخابی عمل اور پارلیمانی سیاست کے ذریعے اسلام کا قیام اور شریعتِ حقّہ کی تنفیذ محالِ مطلق اور ناممکنِ محض ہے۔ اس لئے کہ ع "ہے دُور وصالِ بحر ابھی" کے مصداق ابھی نیشنل اسمبلی کا ہفت خواں تو طے ہونا ہے۔ جبکہ ع "ہوئے ہیں پاؤں پہلے ہی نبردِ عشق میں زخمی" کے مصداق صرف سینٹ کے حلق سے نیچے اترنے کے لئے بھی اسے بھاری قیمت دینی پڑی ہے۔ چنانچہ:

ایک جانب بیرونی سود خوروں کو پورا اطمینان دلایا گیا ہے کہ آپ پریشان نہ ہوں، آپ کا اصل زر ہی نہیں سود بھی حسبِ سابق ادا کیا جاتا رہے گا۔ (شق نمبر ۱۵)

دوسری جانب اندرونِ ملک غیر مسلموں ہی نہیں نام نہاد مسلمان سود خوروں کو بھی پوری ضمانت دے دی گئی ہے کہ اُن کو بھی چنداں تشویش نہیں ہونی چاہئے۔ انہیں بھی حسبِ سابق یہ حرام مال مہیّا کیا جاتا رہے گا (شق نمبر ۱۶) گویا "وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا" کے واضح قرآنی حکم پر عمل نہیں کیا جائے گا ـــــــ اور قرآن حکیم کے الفاظِ مبارکہ کے مطابق "اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ جنگ" جاری رہے گی!۔

"دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملّت ۔ ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارا" کے مصداق اگر سینیٹ نے اس بل کو اتنی بھاری قیمت وصول کر کے منظور کیا تو نہ وہ شکریے کی مستحق ہے، نہ ہی بل کے مجوّزین کسی مبارکباد کے لائق ہیں، بلکہ سینیٹ کے سرمایہ دار اور وڈیرے ارکان کم از کم اس داد کے مستحق بنتے ہیں کہ انہوں نے ع "ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دیں!" کے مطابق اپنے مسلک پر "وفاداری بشرطِ استواری" کا ثبوت دے دیا ـــــ جبکہ بل کے عالمِ دین مجوّزین اور دیندار مؤیّدین تو اس قابل ہیں کہ اس 'مداہنت فی الدّین' اور اندرونی و بیرونی سرمایہ پرستوں اور سود خوروں کے ساتھ اِس مفاہمت اور گٹھ جوڑ پر ملّتِ اسلامیہ کی عدالتِ عام میں جواب دہی کے لئے پیش ہوں، اور اپنے طرزِ عمل کی وضاحت کریں! کاش کہ یہ حضرات آیاتِ مبارکہ "وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ" (القلم:۹) اور وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ (البقرہ:۱۲۰) کو پیشِ نظر رکھتے تاکہ جگر مراد آبادیؒ کے اس شعر کے مصداق کہ ـ "یہی انجام کا مارا ہوا دل ۔ ہلاکِ عشرتِ آغاز بھی ہے!" وقتی فتح مندی اور سرخروئی کی "عشرتِ آغاز" انہیں 'مداہنت فی الدّین' کے عبرت ناک "انجام" کی طرف نہ دھکیل سکتی!

اس ضمن میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اِن دو صورتوں میں عظیم فرق و تفاوت ہے ـــــ یعنی ایک یہ کہ پارلیمنٹ سے باہر رہتے ہوئے تنفیذِ شریعت کا مطالبہ کیا جائے اور اس ضمن میں جو پیش قدمی بھی ہو جائے اُسے قبول کرتے اور مضبوطی کے ساتھ تھامتے ہوئے مزید کے مطالبے کو جاری رکھا جائے لیکن کسی بھی مرحلے پر احکامِ شریعت میں 'تفریق' کے عمل میں خود فریق بن کر "الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ" (الانعام:۱۵۹) کا مصداق نہ بنا جائے!' اور دوسرے یہ کہ خود پارلیمنٹ میں شریک ہو کر اس قسم کی سودے بازی میں فریق بن جایا جائے اور اس طرح 'مداہنت فی الدّین' کے جرمِ عظیم میں شرکت کر لی جائے!!

اسی طرح کا ایک معاملہ موجودہ بِل کی دفعہ ۳ کی ذیلی شق (۱۰) کا ہے جس کی رُو سے اس بِل کے نافذ ہونے سے قبل کے جُملہ خلافِ شرع فیصلوں کو کامل تحفّظ دیا گیا ہے ـــــ جو قرآن و سنّت کی صریح ہدایات کے خلاف ہونے کے علاوہ عقلِ عام اور عرفِ عمومی کے نزدیک بھی ناقابلِ قبول ہے۔

اس پس منظر میں ایک جانب موجودہ شریعت بِل حقیقتِ واقعی کے اعتبار سے صرف

جنگِ اقتدار کا ایک ہتھیار بن کر رہ جاتا ہے ــــــــ چنانچہ اسی کا مظہر ہے کہ بعض وہ دینی عناصر بھی اس کی تائید کر رہے ہیں جو ابتداءً اس کے اس بِنا پر شدید مخالف تھے کہ اس میں واضح طور پر فقہِ حنفی کی ترویج کا مطالبہ نہیں کیا گیا تھا ــــــــ!! در آں حالیکہ موجودہ ترمیم شدہ بل کسی بھی فقہ کی صراحت کے برعکس اصل بِل کے مقابلے میں مسلکِ اہل حدیث سے نزدیک تر ہو گیا ہے! (چنانچہ جمعیت اہل حدیث کے اس دھڑے کی اس بل کے حامیوں میں شمولیت قابلِ فہم ہے!)

دوسری جانب ہمارا وہ موقف مزید منقح اور ثابت ہو گیا ہے کہ اس ملک میں نظامِ اسلام کا قیام صرف انقلابی جدّوجہد سے ممکن ہے ــــــــ رجالِ دین اور مذہبی جماعتوں کے انتخابی عمل اور پارلیمانی سیاست میں حصہ لینے سے اسلام کی منزلِ مقصود نزدیک نہیں دور سے دور تر ہوتی چلی جا رہی ہے ــــــــ اور خود رجالِ دین 'مداہنت فی الدّین' پر مجبور ہوتے چلے جا رہے ہیں!

ہم نے ۸۶ء میں متحدہ شریعت محاذ میں شمولیت اس لئے اختیار کی تھی کہ:

اوّلاً ــــــــ وہ ایک خالص دینی محاذ تھا اور اس میں کوئی سیکولر عنصر شریک نہ تھا۔

ثانیاً ــــــــ اس کے ذریعے کُل کے کُل دین کی اقامت اور شریعت کی غیر مشروط اور بلا استثناء بالادستی مطلوب تھی، اور

ثالثاً ــــــــ اس کے پیش نظر ایک انقلابی تحریک برپا کرنا تھا چنانچہ اوّلاً اس کا آغاز ہی پارلیمنٹ کے سامنے ایک عظیم عوامی مظاہرے سے ہوا تھا اور پھر جلد ہی حکومتِ وقت کو الٹی میٹم بھی دے دیا گیا تھا چنانچہ جیسے ہی ہم نے محسوس کیا کہ اس محاذ میں شامل اہم جماعتیں عوامی تحریک سے کنی کتراتے ہوئے اسے صرف پارلیمانی سیاست کا ضمیمہ یا تتمہ بنانا چاہتی ہیں، ہم نے اس سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔

اب بھی ہماری پوزیشن یہ ہے کہ نہ ہم موجودہ شریعت بِل کے حامی بن کر مداہنت فی الدّین میں شریک ہو سکتے ہیں، نہ ہی اس کے لئے جدّوجہد میں اپنا وقت اور صلاحیت صَرف کر سکتے ہیں ــــــــ تاہم اگر اس کے نتیجے میں نفاذِ شریعت کی جانب ایک انچ بھی پیش قدمی ہوئی تو اسے خوش آمدید کہیں گے ــــــــ بالکل اُسی طرح جیسے ہم نے سابق

صدرِ پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم کے "نفاذِ شریعت آرڈی نینس" کو بھی خوش آمدید کہا تھا اور اسے "انسدادِ شریعت آرڈی نینس" نہیں قرار دیا تھا۔

یہ بات لائقِ توجّہ ہے کہ جسٹس یعقوب علی خان صاحب نے مجوّزہ شریعت بل کی متذکرہ بالا تین غیر شرعی اور خلافِ قرآن و سنّت ترامیم کو "اجتہاد" قرار دیتے ہوئے خوش آمدید کہا ہے' اور اسی نوع کے مزید اجتہاد کا دروازہ ہی نہیں 'شاہ درہ' کھولنے کی ترغیب دی ہے ـــــــ جبکہ ہمارے نزدیک یہ 'اجتہاد فی الدّین' نہیں 'انحراف عن الدّین' ہے!

الغرض' جہاں تک زیرِ غور شریعت بِل یا نفاذِ شریعت ایکٹ کا تعلّق ہے' ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ بقول علّامہ اقبال ؎

نہ مصطفیٰ نہ رضا شاہ میں نمود اس کی
کہ رُوحِ شرق بدن کی تلاش میں ہے ابھی!

اور بقولِ فیض ؎

یہ داغ داغ اجالا ـ یہ شب گزیدہ سحر
کہ انتظار تھا جس کا ـ یہ وہ سحر تو نہیں!

اور پاکستان میں نفاذِ شریعتِ اسلامی اور قیامِ نظامِ اسلام کے خواہش مند حضرات کو پوری دل سوزی کے ساتھ دعوت دیتے ہیں کہ وہ اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں مزید دیر نہ لگائیں کہ اس عظیم منزلِ مقصود کی جانب راستہ پارلیمنٹ کے مرصّع' مسجّع اور آراستہ و پیراستہ ایوانوں کے اندر سے نہیں گزرتا ـــــــ بلکہ یہ کانٹوں بھری پُر صعوبت راہ ان ایوانوں کے باہر ہی باہر سے گزرتی ہے ـــــــ اور جیسے کہ پندرہ روز قبل کے خطاب جمعہ میں تفصیلاً عرض کیا جا چکا ہے اس کا اوّلین قدم انفرادی اور اجتماعی توبہ ہے ـــــــ یعنی انفرادی طور پر تجدیدِ ایمان 'توبہ' اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تجدیدِ عہد کرتے ہوئے ایک جانب اپنا نصب العین صرف رضائے الٰہی اور فلاحِ اخروی کو بنایا جائے اور دوسری جانب اپنی بہترین مساعی اور بیشتر اوقات و وسائل کو "اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" کے مطابق اقامتِ دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کی جدّوجہد کے لئے وقف کر دیا جائے اور اجتماعی سطح پر ایک جانب

اصحابِ فہم و شعور کو اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی یعنی اسلام کے اُس سیاسی، معاشی اور سماجی نظام کے بارے میں مطمئن کیا جائے جو انسانی حرّیت، اخوّت اور مساوات کا دنیا کے تمام نظاموں سے بڑھ کر ضامن اور کفیل بن سکتا ہے (یہی وجہ ہے کہ ہم نے مسلسل دو سال اپنے محاضراتِ قرآنی کو اسی عنوان اور انہی موضوعات کے لئے وقف رکھا!) اور دوسری جانب عوامی سطح پر کفر و شرک، زندقہ و الحاد، اباحیت و معصیت، اور عریانی و فحّاشی کے خلاف مزاحمتی تحریک (Resistance Movement) برپا کی جائے جو اگرچہ اپنی جگہ کُلّیتہً پُرامن اور حد درجہ منظم ہو، تاہم ع "جب وقتِ شہادت آتا ہے، دل سینوں میں رقصاں ہوتے ہیں!" کے جذبے سے سرشار ہو! ـــــــ

لیکن پُرامن اور منظم ہونے کے ساتھ اس تحریک کی کامیابی کے لئے شرطِ لازم یہ بھی ہے کہ اس پر کسی کشمکشِ اقتدار پر مبنی سیاست بازی (Power Politics) کا سایہ تک بھی نہ پڑنے دیا جائے اور وہ سیاسی رسّہ کشی سے نہ صرف یہ کہ کُلّی طور پر علیٰحدہ ہو بلکہ نمایاں طور پر بُعد اور فاصلے پر نظر آئے! تاکہ ایک جانب مسائل (Issues) میں خلطِ مبحث (Confusion) نہ پیدا ہو، اور دوسری جانب "حزب اللہ" اور "حزب الشّیطٰن" بالکل جدا اور ممیّز ہو جائیں! ـــــــ اور اس طرح "حَتّٰی یَمِیْزَ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ" اور "حَتّٰی نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِیْنَ مِنْکُمْ وَالصَّابِرِیْنَ" کی کیفیت پیدا ہو جائے اس لئے کہ نصرتِ خداوندی اس کے بغیر نہیں آتی اور یقیناً صحیح کہا جس نے بھی کہا۔

در رہِ منزلِ لیلیٰ کہ خطرہا ست بسے
شرطِ اوّل قدم ایں است کہ مجنوں باشی!

میثاق کے آئندہ شمارے میں امیر تنظیم اسلامی کا ایک اہم خطاب

"مُسلمان نوجوانوں کے لیے آئیڈیل"

مرتب کر کے شائع کیا جائے گا (ادارہ)

خالقِ کائنات کا پیغام — نوعِ انسانی کے نام

قرآن مجید، فرقانِ حمید

کے علم و حکمت سے واقفیت حاصل کرنے اور یہ جاننے کے لیے کہ ہمارا دین ہم سے چاہتا کیا ہے!

ڈاکٹر اسرار احمد امیر تنظیم اسلامی

کے دروسِ قرآن اور خطاباتِ عام

کے پانچ سو سے زائد آڈیو / ویڈیو کیسٹس سے

بالکل مفت استفادہ کیجیے

نشر القرآن کیسٹ لائبریری

۳۶ رسوک سنٹر۔ نیو گارڈن ٹاؤن لاہور۔ فون : ۸۵۷۵۷۳

معزز قارئین کرام!

اپنے زرِ تعاون کی میعاد جو کہ آپ کے نام / پتہ کے لیبل پر درج ہے ختم یا غلط درج ہونے پر براہِ کرم ہمیں جلد از جلد مطلع فرمادیں کہ آپ کے نام پرچہ بدستور جاری رکھا جائے؟ اس سے ہمیں یہ بھی اطمینان رہے گا کہ پرچہ آپ تک پہنچ رہا ہے اور آپ کا پتہ تبدیل نہیں ہوا ہے۔ اگر آپ زرِ تعاون بذریعہ وی۔پی۔ ادا کرنا چاہیں تو اس کے لیے بروقت تحریر فرمائیں

شکریہ آپ کے تعاون کے متمنی

مینجر سرکولیشن

مقابل ہے آئینہ

کراچی کی آگ کو بھڑکانے میں کس کس کا — کتنا کتنا حصّہ ہے ؟

سقوطِ مشرقی پاکستان کے پندرہ برس بعد — سندھ کیوں جل رہا ہے ؟

پنجابی سندھی کشمکش — مہاجر پٹھان تصادم کیوں بن گئی ؟

کیا اِس شر میں کچھ خیر بھی ہے ؟

سیاسی محرومیوں، انتظامی بے تدبیریوں، حکمرانوں کے آمرانہ طرزِ عمل، اپنوں کی مہربانیوں اور غیروں کی سازشوں کا — بے لاگ تجزیہ

اصلاحِ احوال کی مثبت تجاویز

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا تازہ سلسلہ مضامین

استحکامِ پاکستان اور مسئلہ سندھ

کتابی صورت میں دستیاب ہے

ہر درد مند پاکستانی کے لیے اس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے

---

۱۴۴ صفحات ، سفید آفسٹ کاغذ ، قیمت صرف ۱۵/ روپے

ملنے کا پتہ : ۳۶- کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔ فون ۸۵۲۶۸۳

موجودہ حالات میں

اجتماعی توبہ کی ضرورت و اہمیّت

اور اس کی ممکنہ عملی صورت

امیرِ تنظیمِ اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا فکر انگیز خطابِ جمعہ

ترتیب وتسوید
حافظ خالد محمود خضر

اپنے بیرونی سفر سے واپسی کے بعد میں نے عید الاضحیٰ کے اپنے مختصر خطاب میں اور پھر اس کے بعد مسلسل دو جمعوں میں اپنے سفرِ اسپین کے کچھ تاثرات آپ حضرات کے سامنے رکھے تھے اور اس کے حوالہ سے جنوبی ایشیا یعنی برعظیم پاک و ہند کے مسلمانوں کے مستقبل کے بارے میں اندیشوں اور خطرات، مسلم اسپین اور مسلم انڈیا کے حالات میں مشابہتوں، اور اس کے علاوہ پاکستان کے موجودہ خارجی اور داخلی حالات کے ضمن میں بھی اپنا تجزیہ پیش کیا۔ ظاہر ہے کہ ان خطابات میں اتنا وقت صرف ہوتا رہا کہ گفتگو کا مثبت موضوع یعنی یہ کہ ان حالات میں کیا کیا جائے، ہماری بحث کے دائرے سے خارج رہا۔ حالانکہ فطری طور پر یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس گمبھیر صورتِ حال سے بچاؤ کا راستہ یا مخرج (Exit) کون سا ہے؟ جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ایک بڑے فتنے کی آمد کی خبر سن کر آپؐ سے یہ سوال کیا تھا کہ "مَا الْمَخْرَجُ مِنْھَا یَا رَسُوْلَ اللہ" ۔ کہ اے اللہ کے رسول اس فتنے سے نکلنے کا راستہ کونسا ہوگا، اس سے بچاؤ کی سبیل کونسی ہوگی؟ تو یقیناً یہ معاملہ بہت اہم ہے کہ ملّی، ملکی اور قومی سطح پر جو اندیشے اور خطرات ہمیں درپیش ہیں ان سے نکلنے کا راستہ آخر کونسا ہے۔

چنانچہ گزشتہ جمعے نمازِ جمعہ کے بعد سوال و جواب کی معمول کی نشست میں دو حضرات نے کھڑے ہو کر سوال کرنے کی اجازت حاصل کی تھی اور ہماری توجہ مبذول کرائی تھی دو اہم باتوں کی طرف! پہلے سوال کرنے والے صاحب سے تو میں ذاتی طور پر متعارف نہیں ہوں' لیکن ان کا جو اندازِ گفتگو تھا اس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے اعتراض کرنے کے خیال سے یہ بات نہیں کی تھی بلکہ خلوص کے ساتھ میری سابقہ گفتگو کی اس کمی کی طرف توجہ مبذول کرائی تھی کہ مسئلے کا حل کیا ہے؟ صورت حال کا اصل علاج کیا ہے؟ اور میں چونکہ اختصار کے پیش نظر اپنی تینوں تقریروں کے اختتام پر دعا اور توبہ کی تلقین پر اکتفا کرتا رہا ہوں' تو انہوں نے کہا کہ توبہ کی کوئی عملی شکل سامنے آنی چاہئے۔ ان کی تجویز یہ تھی کہ آپ ہر جمعہ میں کسی ایک گناہ یا کسی ایک معصیت کو ہدف بنا کر اس سے بچنے کا عہد اپنے سامعین سے لیں۔ تاکہ تدریجاً اصلاح کا ایک عمل جاری رہے۔ میرے نزدیک ان کی بات میں وزن تھا۔ اسی لئے میں نے یہ وعدہ کیا تھا کہ اس موضوع پر اگلے جمعہ کو تفصیلی گفتگو کروں گا۔

دوسرے صاحب سے میں ذاتی طور پر واقف ہوں۔ وہ ہماری معزز عدلیہ سے وابستہ ہیں۔ اور اس کے رکن ہونے کے ناطے اگرچہ وہ کسی سیاسی جماعت کے رکن تو نہیں ہو سکتے لیکن میں ذاتی طور پر جانتا ہوں کہ ان کا ذہنی اور قلبی رشتہ ایک اہم دینی اور سیاسی جماعت کے ساتھ ہے۔ میرا ان سے پرانا تعارف ہے۔ انہوں نے بھی پہلے سوال کرنے والے صاحب کی طرح میرے پیش کردہ تجزیئے سے تو کامل اتفاق کیا بلکہ یہاں تک فرمایا کہ آپ کا تجزیہ ایک سو ایک فی صد درست ہے' جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں اس میں کسی شک و شبہہ کی گنجائش نہیں' لیکن سوال یہ ہے کہ اس کا حل کیا ہو! انہوں نے اپنی گفتگو میں دو الفاظ استعمال کئے تھے کہ 'حزب الشیطان' متحد ہے اور 'حزب اللہ' منتشر ہے' اس صورت حال کے ضمن میں کوئی رہنمائی کریں اور کوئی عملی پیش قدمی شروع کریں۔ تو میں آج اپنی گفتگو کا اسی موضوع پر موڑ رہا ہوں۔ اس کے لئے آج صبح میں نے بیٹھ کر کافی تفصیلی نوٹس تحریر کئے ہیں تاکہ جذباتی انداز میں کوئی بے ربط گفتگو کرنے کی بجائے میں اپنا موقف منضبط انداز میں آپ کے سامنے رکھ سکوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ میرے پیش نظر جو گفتگو ہے اس کو اختصار کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کر سکوں۔

توبہ کے ضمن میں چند اصولی باتیں

سب سے پہلے میں توبہ کے ضمن میں چند اصولی باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ توبہ کے موضوع پر قرآن حکیم کی سب سے گمبھیر آیت جس میں توبہ کی انتہائی تاکید بھی آئی ہے اور توبہ کی فضیلت کا بیان بھی نہایت بلیغ پیرائے میں ہوا ہے وہ سورۂ تحریم کی یہ آیت ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا۔ (۸)

"اے اہل ایمان 'توبہ کرو اللہ کی جناب میں 'سچی توبہ!"۔

یعنی یہ توبہ خلوص نیت سے ہونی چاہئے 'محض زبانی کلامی یا رسمًا اور سرسری و سطحی نہیں! اگر توبہ محض زبانی کلامی ہو اور اس کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع نہ ہو تو چاہے ایک ہزار دانوں کی تسبیح لے کر بھی ورد کر لیا جائے تو وہ توبہ نہیں ہوتی۔ توبۂ نصوح سے مراد پاک صاف 'بے ریا' بے میل اور خالص توبہ ہے 'جس میں کسی طرح کا اشتباہ اور کھوٹ نہ ہو! علمائے کرام نے قرآن و حدیث کی روشنی میں توبہ کی شرائط مدوّن کی ہیں۔ اس کی چار ناگزیر شرائط ہیں: (i) اپنی غلطی کا ادراک ہو اور اس پر حقیقی ندامت ہو۔ (ii) یہ عزم مصمم ہو کہ اب میں اپنے آپ کو بدل دوں گا۔ جس برے کام سے توبہ کر رہا ہوں وہ کام اب دوبارہ نہیں کروں گا (iii) اس کام کو بالفعل چھوڑ دیا جائے۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد حالات کی رو میں بہہ کر پھر اسی حرکت کا اعادہ ہو جائے لیکن آدمی جس وقت توبہ کر رہا ہے اُس وقت اس فعل کو بالفعل ترک کرنا ضروری ہے۔ یہ تین شرائط ان گناہوں کی معافی کے سلسلہ میں ہیں جو کہ حقوق اللہ سے متعلق ہیں۔ حقوق العباد سے متعلق گناہوں کے ضمن میں ایک اضافی شرط یہ عائد ہوتی ہے کہ اگر کسی کا کوئی حق تلف کیا ہے یا کسی پر زیادتی کی ہے تو اس حق تلفی کی تلافی کی جائے یا اس سے معافی حاصل کی جائے۔

توبہ کے ضمن میں یہ اہم بات نوٹ کر لیجئے کہ توبہ انفرادی بھی ہوتی ہے اور اجتماعی بھی! سورۂ تحریم کی اس آیت میں انفرادی توبہ کا تقاضا کیا گیا ہے 'جبکہ سورۂ نور کی آیت نمبر ۳۱ میں اجتماعی توبہ کا مطالبہ ہے:

وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ (۳۱)

"اور اے اہلِ ایمان، توبہ کرو اللہ کی جناب میں سب کے سب مل کر، تاکہ تم فلاح پاؤ!"
اس لئے کہ جو اجتماعی گناہ اور اجتماعی خطائیں ہیں ان کی توبہ بھی اجتماعی طور پر ہوگی تب ہی مؤثر ہوگی۔ اس آیتِ مبارکہ میں لفظ "جمیعًا" بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ مل جل کر سب کے سب توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ اور اپنی غلطیوں اور لغزشوں کی سزا سے بچ سکو۔ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ کسی قوم کی اجتماعی خطاؤں اور فروگزاشتوں کا خمیازہ اسی دنیا میں بھگتنا پڑتا ہے۔ افراد کا معاملہ قیامت میں ہوگا جہاں ہر شخص انفرادی طور پر پیش ہوگا۔ قوموں کے اعمال کا حساب کتاب یہیں چکایا جاتا ہے۔ اقبال کا یہ شعر اس حقیقت کو بڑی خوبصورتی سے واضح کرتا ہے۔

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
نہیں کرتی کبھی ملّت کے گناہوں کو معاف!

ملت کے گناہوں کی معافی کی ایک ہی صورت ہے اور وہ ہے اجتماعی توبہ۔ یہی وہ راستہ ہے جسے اختیار کرکے کوئی قوم اپنے گناہ کے انجامِ بد سے بچ سکتی ہے۔

توبہ کی شرطِ لازم: اصلاحِ احوال اور تجدیدِ ایمان

توبہ کے موضوع پر میں قرآن حکیم کی چند مزید آیات پیش کرنا چاہتا ہوں۔ جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا کہ توبہ کی شرطِ لازم ہے عملی اصلاح۔ اس کے بارے میں سورۃ المائدہ میں فرمایا گیا:

فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ۔ (۳۹)

"پھر جس کسی نے اپنے ظلم کے بعد توبہ کی اور (اپنی) اصلاح کرلی تو اللہ اس کی توبہ قبول فرمائے گا"۔

یعنی جو شخص اپنی زیادتی، ظلم اور گناہ کے بعد نہ صرف یہ کہ توبہ کرلے، بلکہ اپنی اصلاح بھی کر لے، اپنے طرزِ عمل کو بدل لے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی طرف اپنی رحمتوں، شفقتوں اور عنایتوں کے ساتھ متوجہ ہو جاتا ہے۔ "تَابَ" کے بعد "اَصْلَحَ" کا لفظ توبہ کی شرطِ لازم کی نشان دہی کرتا ہے۔ اور توبہ کی یہ شرط "اصلاح" قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر بیان ہوئی ہے۔ سورۃ الانعام میں ہے:

اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ (۵۴)

"۔۔۔تم میں سے جو کوئی بھی گناہ کر بیٹھے گا از راہِ نادانی (جذبات کی رو میں بہہ کر)' پھر وہ توبہ کرے گا اور (اپنی حالت کی) اصلاح کر لے گا تو یقیناً اللہ غفورٌ رحیم ہے"۔

رحمتِ خداوندی کے حاصل کرنے کے لئے صرف توبہ کافی نہیں' بلکہ اس کے ساتھ اپنے اعمال کی اصلاح بھی ضروری ہے۔ اور اب میں دو مقامات اور پیش کرنا چاہتا ہوں جہاں اس لفظِ 'اصلاح' کی مزید وضاحت سامنے آتی ہے۔ سورۂ طٰہٰ میں فرمایا:

وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی (۸۲)

"اور میں یقیناً بہت بخشنے والا ہوں اس کے حق میں جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور عمل کیا نیک' اور پھر ہدایت اختیار کر لی"۔

اس میں بڑا گہرا رمز ہے کہ انسان جب معصیت کا ارتکاب کرتا ہے تو ایک اعتبار سے حقیقتِ ایمان سے محروم ہو جاتا ہے۔ قانونی ایمان اگرچہ موجود ہوتا ہے اور وہ مسلمان رہتا ہے، لیکن جب وہ گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے تو ایک حدیث کی رُو سے اس کا ایمان اس کے دل سے نکل کر اس کے سر پر ایک پرندہ کی طرح چکر لگاتا رہتا ہے' اگر وہ توبہ کر لیتا ہے تو دوبارہ دل میں داخل ہوتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ درحقیقت گناہ زوالِ ایمان کا باعث ہے۔ ایمان بالکل ضائع نہ ہو تب بھی ضعفِ ایمان تو لازم ہے۔ ضعفِ ایمان کے بغیر تو گناہ کے صدور کا امکان ہی نہیں۔ احادیث میں تو اس معاملہ کی سنگینی بہت زیادہ واضح کی گئی ہے۔ ایک حدیث کے الفاظ ہیں:

لَا یَزْنِی الزَّانِیْ حِیْنَ یَزْنِیْ وَھُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَا یَسْرِقُ السَّارِقُ حِیْنَ یَسْرِقُ وَھُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَا یَشْرَبُ الْخَمْرَ حِیْنَ یَشْرَبُھَا وَھُوَ مُؤْمِنٌ۔

"کوئی زانی حالتِ ایمان میں زنا نہیں کرتا' کوئی چور حالتِ ایمان میں چوری نہیں کرتا اور کوئی شرابی حالت ایمان میں شراب نہیں پیتا"۔

اس حدیث میں تو حالتِ ایمان کی مطلقاً نفی ہو رہی ہے۔ البتہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ

علیہ نے اپنی مایۂ ناز تالیف "الفقہ الاکبر" میں' جو درحقیقت ان کے تفقّہ فی الدین کا سب سے بڑا مظہر ہے اور جو فقہی جزئیات پر مشتمل کوئی تالیف نہیں ہے' ان حقائق کو واضح کیا ہے کہ ایک قانونی ایمان ہے جو کسی کے گناہوں سے ختم نہیں ہو جاتا۔ مسلمان گناہ کا ارتکاب کر کے بھی مسلمان رہے گا۔ اس قانونی ایمان میں کمی یا زیادتی بھی نہیں ہوتی' لیکن جہاں تک ایمانِ حقیقی کا تعلق ہے وہ تو لازمی طور پر گناہ کے اثرات سے ضعف و اضمحلال کا شکار ہوتا ہے۔ علماء کے یہاں ایک جملہ استعمال ہوتا ہے: "المعاصی برید الکفر"۔ کہ معاصی تو کفر کو لانے والی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان سے ایمان زائل ہو جائے۔ چنانچہ توبہ کے بعد ایک طرح سے تجدیدِ ایمان ہوتی ہے۔ اور ایمان کا منطقی نتیجہ ہے عملِ صالح۔ تجدیدِ ایمان اور اعمالِ صالحہ کا یہی مضمون سورۃ الفرقان کے آخری رکوع میں بھی آیا ہے' جو ہمارے منتخب نصاب کا ایک اہم مقام ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے اکثر ساتھیوں کو یہ آیات زبانی یاد ہوں گی۔ یہاں پر بڑے بڑے گناہوں کا تذکرہ کر کے فرمایا گیا کہ جو ان کا مرتکب ہو گا اسے ان کی پاداش مل کر رہے گی۔ اور آگے فرمایا:

إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا
فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ۔

"مگر جو شخص توبہ کرے گا اور ایمان لائے گا (یا ایمان کی تجدید کرے گا) اور کرے گا نیک عمل' تو ایسے لوگوں کی (گزشتہ) برائیوں کو اللہ تعالیٰ بھلائیوں سے تبدیل کر دے گا"۔

نامۂ اعمال کی سیاہی کے دھبے دھو کر نیکیوں کا اندراج کر دے گا اور دامنِ کردار کے جو داغ ہیں ان کو بھی صاف کر کے اسے اعمالِ صالحہ سے مزیّن کر دے گا۔ یہاں میں آپ حضرات کے سامنے ایک بات لانا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ تنظیم اسلامی کے ماٹو (Motto) میں ہم نے تنظیم اسلامی کی اساسی دعوت کے لئے تین الفاظ منتخب کئے ہیں: تجدیدِ ایمان' توبہ' تجدیدِ عہد۔ توبہ کے لئے تجدیدِ ایمان اور تجدیدِ عہد دونوں ضروری ہیں۔ الفاظ میں توازن پیدا کرنے کے لئے ہم نے توبہ کو ان دونوں کے درمیان رکھا ہے۔ درحقیقت توبہ اور یہ دونوں الفاظ گویا کہ لازم و ملزوم ہیں۔ توبہ کی شرطِ لازم تجدیدِ ایمان ہے۔ اور اس کے ساتھ تجدیدِ عہد' کہ اللہ سے عہد کرنا کہ جو خطائیں ہوئیں اب آئندہ ان کا ارتکاب نہیں کروں گا۔ تو ان دو آیتوں کے

حوالے سے ' اصلاح ' کا یہ مفہوم سامنے آیا کہ تجدیدِ ایمان اور اعمال صالحہ کا انسان سے بالفعل صادر ہونا۔

توبہ و استغفار کے نتائج

اور اب آیئے اس مضمون کی طرف کہ توبہ و استغفار کے نتائج کیا نکلتے ہیں؟ ایک نتیجہ تو دنیوی ہے۔ وہ میں سورہ ہود کی دو آیتوں کے حوالہ سے عرض کر رہا ہوں۔ ارشاد ہوا:

وَاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا (۳)

یہاں توبہ کے ساتھ لفظ 'استغفار' کا مزید اضافہ ہو گیا اور یہ دونوں الفاظ عام طور پر جڑے ہوئے آتے ہیں: اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ۔
کہ میں اللہ سے ہر گناہ کی معافی طلب کرتا ہوں جو کہ میرا رب ہے اور اس کے حضور توبہ کرتا ہوں بہرحال یہاں فرمایا: اپنے رب سے استغفار کرو اور اس کی جناب میں توبہ کرو! اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ تم کو اس دنیا میں بھی اچھا ساز و سامان دے گا' آسائشیں دے گا' تمہارے لئے اپنی نعمتوں اور رحمتوں کے دسترخوان وسیع کر دے گا۔ اور سورہ ہود ہی میں دوسرے مقام پر فرمایا:

وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ
يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا۔

"اور اے میری قوم کے لوگو' اپنے رب سے اپنے گناہوں کی معافی چاہو (استغفار کرو) ' پھر اس کی جناب میں توبہ کرو' وہ تم پر چھاجوں مینہ برسائے گا"۔

آپ کو یاد ہو گا کہ اُس زمانے میں انسان کا ذریعۂ معاش کھیتی باڑی ہی تھا اور اس کا سارا دارومدار بارش پر تھا۔ کوئی ٹیوب ویل وغیرہ تو تھے نہیں۔ پھر کوئی انڈسٹری بھی نہیں تھی کُل معیشت کا دارومدار زراعت پر تھا اور اس کا تمام تر انحصار بارش پر تھا۔ تو یہاں "يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا" گویا استعارہ ہے خوش حالی سے کہ تمہارے لیے دنیا میں فراغت حاصل ہو گی۔

یہ تو ہوا دنیوی نتیجہ' اور اخروی نتیجہ توبہ کا وہ ہے جو سورۂ تحریم کی آیت نمبر ۸ میں بیان ہوا جس کے ایک ٹکڑے کا مطالعہ ہم نے آغاز میں کیا ہے۔ وہاں يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا کے بعد فرمایا: عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ ـــ" امید ہے کہ تمہارا پروردگار تم

سے تمہاری برائیوں کو دُور کر دے گا" وَيُدۡخِلَكُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ "اور تم کو ان باغات میں داخل کرے گا جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی"۔ يَوۡمَ لَا يُخۡزِى اللّٰهُ النَّبِىَّ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ "جس دن اللہ تعالٰی ہرگز رسوا نہیں کرے گا' نہ اپنے رسول کو اور نہ ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے"۔ نُوۡرُهُمۡ يَسۡعٰى بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَبِاَيۡمَانِهِمۡ "ان (کے ایمان) کا نور ان کے آگے آگے اور (اعمالِ صالحہ کا نور) اُن کے داہنی طرف دوڑتا ہوگا"۔ (اس روشنی کے ساتھ وہ پل صراط پر سے گزریں گے)۔ يَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اَتۡمِمۡ لَنَا نُوۡرَنَا وَاغۡفِرۡ لَنَا۔ "وہ دعا کر رہے ہوں گے کہ اے ہمارے رب ہمارا نور ہمارے لئے کامل کر دے اور ہماری مغفرت فرما!"۔

ظاہر بات ہے کہ یہ نور ہر ایک کو اپنے ایمان کی مناسبت اور اعمالِ صالحہ کی مقدار کے اعتبار سے ملے گا۔ ہم لوگوں کو تو اگر ملا بھی تو بہت تھوڑا سا' مدہم سا نور ملے گا۔ اور وہ نور جو کہ ابوبکر صدیق' عمر فاروق' عثمان غنی اور علی مرتضٰی (رضی اللہ عنہم) کو ملے گا' ہم اس کا کیا اندازہ کر سکتے ہیں۔ حضورؐ نے تو فرمایا کہ بعض لوگوں کو اتنا نور ملے گا جس کی روشنی مدینہ سے صنعاء تک پہنچے گی' اور کچھ لوگ ایسے ہوں گے کہ ان کی روشنی ان کے قدموں کے سامنے ہوگی۔ گویا کہ ٹارچ کی مانند۔ اور اُس کٹھن مقام پر تو اتنی سی روشنی بھی بڑی خوش قسمتی ہوگی۔ اس روشنی میں بھی وہ ٹھوکر کھا کر جہنم کے گڑھے میں تو نہیں گریں گے۔ لیکن ایسے لوگ دعا کر رہے ہوں گے کہ اے پروردگار اپنے خاص فضل سے ہمارے نور کو بھی کامل فرما دے' اس کا اتمام فرما دے! اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ "یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے"۔ تجھے مطلقاً اختیار حاصل ہے' اگر ہماری کوتاہیٔ عمل کی وجہ سے ہمارا یہ نور مدّہم رہ گیا ہے تو اپنے رحم و کرم سے' اپنی شانِ ستّاری کے طفیل اس کا اتمام فرما دے۔ تو یہ ہے دینی اہمیت توبہ کی!

انفرادی توبہ اور اس کے تقاضے

اب میں آ رہا ہوں اپنے اس وقت کے موضوع کی طرف کہ ایک توبہ انفرادی ہے اور ایک اجتماعی ہے۔ حقیقی انفرادی توبہ کے بارے میں یہ بات جان لیجئے کہ یہ توبہ تدریجی نہیں ہوتی' بلکہ ایک دم ہوتی ہے۔ کُل کی کُل ہوتی ہے۔ تمام گناہوں سے پوری کی پوری توبہ ہوتی ہے۔ جیسا کہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں" اَسۡتَغۡفِرُ اللّٰهَ رَبِّىۡ مِنۡ كُلِّ ذَنۡبٍ"۔ اگر یہ خیال کیا جائے کہ تدریجاً ایک ایک گناہ سے توبہ کروں گا تو اس کے لئے حضرت نوحؑ کی عمر شاید کفایت کر جائے۔

یہ توبہ ایک دم ہونی چاہئے۔ اس لئے کہ ایمان لازمی تقاضا ہے توبہ کا۔ تجدیدِ ایمان اس کی شرطِ لازم ہے اور حقیقی ایمان کوئی ایسی غیر حقیقی اور کمزور شے نہیں ہے کہ وہ انسان کو یکدم بدل کر نہ رکھ دے۔ اور اس ضمن میں یہ بات بھی نوٹ کر لیجئے کہ اگر آپ کا یہ تدریجی عمل درمیان ہی میں ہو اور آپ کو موت آ جائے تو کیا ہو گا؟ قرآن مجید کے بعض مقامات سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک گناہ کا ارتکاب بھی جان بوجھ کر ہو رہا ہو اور مسلسل ہو رہا ہو تو' جیسے کہ میں نے علماء کا قول نقل کیا ہے المعاصی برید الکفر اور گناہوں کے نتیجہ میں زوالِ ایمان کا اندیشہ موجود ہے' ایمان سرے سے زائل ہو جائے گا اور جب ایمان بالکل ضائع ہو جائے تو پھر خلود فی النّار یعنی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کا اندیشہ موجود ہے اور قرآن مجید کی یہ آیتِ مبارکہ لرزا دینے والی آیت ہے:

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـــَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (البقرہ:۸۱)

"کیوں نہیں' جس نے کمایا کوئی گناہ اور گھیر لیا اس کو اس کے گناہ نے' تو ایسے ہی لوگ دوزخ والے ہیں۔ وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے"۔

جان بوجھ کر' ایک گناہ کو گناہ سمجھتے ہوئے' انسان کا ڈھٹائی کے ساتھ اس کو کئے چلے جانا اس کے زوالِ ایمان اور نتیجۃً خلود فی النار کا باعث بن سکتا ہے۔ بلکہ علماء کا کہنا یہ ہے کہ گناہ اگرچہ صغیرہ کی قسم کا ہو' اس پر مداومت سے یہ کبیرہ بن جائے گا۔ صغائر پر دوام اور تسلسل انہیں کبائر میں تبدیل کر دیتا ہے۔ لہٰذا ہمیں اس طرح کے مغالطوں میں مبتلا ہونے سے بچنا چاہئے۔ یہ اپنے آپ کو تھپکی دینے کا ایک مزاج ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے۔ انقلاب اگر آتا ہے تو ایک دم آتا ہے' طبیعت بدلتی ہے تو یک دم بدلتی ہے' دل اگر اصلاح پر آمادہ ہوتا ہے تو یک دم ہوتا ہے' اور وہ ہمہ جہتی اصلاح ہوتی ہے۔ اس کا تقابل میں ابھی بعد میں کروں گا۔ اس کی کیفیات کچھ اور ہیں۔

انفرادی توبہ کے بارے میں یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ اس کے دو تقاضے ہوں گے۔

(ا) انسان کا مقصد اور نصب العین یک دم بدل جائے۔ دنیا اس کا مطلوب و مقصود نہ رہے۔ دنیا کی نعمتیں کسی نے حرام نہیں کی ہیں' جو حلال چیزیں ہیں ان سے متمتع ہونا ہرگز کوئی ملامت والی بات نہیں' بشرطیکہ جائز ذرائع سے حاصل ہو رہی ہوں۔ لیکن اگر دنیا مطلوب،

مقصود بن جائے تو یہ آخرت کی بربادی کا باعث بن جائے گی۔ تو انسان کا حقیقی نصب العین اللہ کی رضا اور آخرت کی فلاح ہونا چاہئے۔ دوسری ہر شے اس کے تابع ہو جائے۔ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ (ii) انسان کی مساعی' اس کی بھاگ دوڑ اور جدّوجہد کا مرکز و محور اور اس کی استعدادات' صلاحیتوں اور خداداد قوتوں کا اصل ہدف بس اقامتِ دین اور اعلاء کلمۃ اللہ ہو! باقی ہر چیز کی حیثیت ثانوی ہو۔ اسے اگرچہ اپنی معیشت کے لئے بھی محنت کرنا ہوگی' اپنی معاشرت بھی سنوارنا ہوگی' اہل و عیال اور خویش و اقربائ کے حقوق بھی ادا کرنے ہوں گے' لیکن اصل شے جسے اولیت حاصل ہوگی وہ اقامتِ دین کی جدّوجہد اور اعلاء کلمۃ اللہ کی سعی ہوگی۔ انفرادی توبہ کے یہ دو تقاضے پورے کر لئے جائیں تو یہ توبہ انشاء اللہ العزیز مبرور ہوگی' اللہ کے یہاں مقبول ہوگی اور اس توبہ کے وہ ثمرات حاصل ہوں گے جو کہ میں نے بیان کئے ہیں۔

اس انفرادی توبہ کے بارے میں ایک اہم بات اور نوٹ کر لیجئے کہ انفرادی توبہ فرضِ عین ہے' ہر شخص کے لئے لازم ہے۔ اگر کوئی شخص توبہ نہیں کرتا اور معصیت کا ارتکاب کرتے ہوئے موت اسے دبوچ لیتی ہے تو معافی نہیں ہوگی۔ توبہ کے بارے میں یہ مضمون سورۂ نساء کے تیسرے رکوع میں بیان ہوا ہے' جہاں دو آیتوں میں دو انتہائیں بیان کر دی گئی ہیں:

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَأُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا (۱۷)

"ایسے لوگوں کی توبہ قبول کرنا اللہ کے ذمہ ہے جو نادانی سے کوئی غلط حرکت کر بیٹھتے ہیں' پھر فوراً توبہ کر لیتے ہیں تو اللہ بھی ایسے لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔ اور اللہ سب کچھ جاننے والا' حکمت والا ہے"۔

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰىٓ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّيْ تُبْتُ الْاٰنَ الخ(۱۸)

"اور ان لوگوں کی توبہ (قابلِ قبول) نہیں جو بُرے کام کئے جاتے ہیں' یہاں تک کہ ان میں سے کسی کے سامنے موت آ جائے تو وہ کہنے لگے کہ اب میں توبہ کرتا ہوں..."

ان لوگوں کی توبہ ہرگز قبول نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ حدیث میں آیا ہے: اِنَّ اللّٰہَ یَقْبَلُ تَوْبَۃَ الْعَبْدِ مالم یُغَرْغِرْ۔ کہ اللہ اس وقت تک بندے کی توبہ قبول کرتا ہے جب تک عالمِ نزع کی غرغراہٹ شروع نہیں ہو جاتی۔ یعنی جب تک موت کے آثار ظاہر نہیں ہوتے اس وقت تک توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے' اور جب موت کے آثار شروع ہو جائیں تو توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے تو یہ دو انتہائیں تو حتمی ہیں۔ اب اگر کوئی بیچ بیچ میں ہے' یعنی کافی عرصہ کوئی گناہ بھی کیا ہے' لیکن بہرحال موت کے آثار شروع ہونے سے پہلے توبہ کرلی ہے تو اب معافی کی امید رکھنی چاہئے۔ لیکن ساتھ خوف بھی برقرار رہنا چاہئے کیونکہ بندۂ مومن کا معاملہ "بین الخوف والرّجاء" ہوتا ہے۔ اندیشہ بھی رہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ دوسری قسم میں شامل نہ فرما دے اور امید بھی ہو کہ اللہ تعالیٰ پہلی قسم میں شامل فرمائیں گے۔

اجتماعی توبہ اور ملکی حالات

اب آیئے اجتماعی توبہ اور اس کے حوالے سے خاص طور پر ہمارے حالات کی طرف!

انفرادی توبہ کے بارے میں جو میں نے آخری بات کہی ہے' اس سے تقابل کرتے ہوئے اجتماعی توبہ کے بارے میں میں پہلی بات کہہ رہا ہوں۔ انفرادی توبہ کے بارے میں میں نے کہا ہے کہ یہ فرض عین ہے' جبکہ اجتماعی توبہ فرض کفایہ ہے! اس کا سبب یہ ہے کہ ایک تو تمام انسانوں کا توبہ کرلینا ناممکن ہے۔ کوئی اعلیٰ سے اعلیٰ معاشرہ بھی ایسا نہیں ہو سکتا جو کہ گناہ سے بالکل خالی ہو۔ دورِ نبوی سے اعلیٰ اور بہتر معاشرے کا ہم تصوّر نہیں کر سکتے' لیکن وہاں بھی بدترین منافقین موجود تھے۔ تو عقلی اعتبار سے گناہ سے قطعی طور پر پاک معاشرہ محالِ مطلق ہے۔ جب حضورؐ کے معاشرہ میں یہ بات نہیں تھی تو پھر کسی دوسرے معاشرہ میں کیسے پیدا ہو سکتی ہے۔

دوسری بات فرضِ کفایہ کے بارے میں سمجھ لیجئے کہ اس کے بارے میں جو یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ اسے چند لوگ ادا کر دیں تو سب کی طرف سے ادا ہو جائے گا' حقیقت میں یہ بات درست نہیں ہے۔ کفایت کافی ہونے سے ہے۔ اگر اتنے لوگ اس فرض کو ادا کر دیں کہ اس سے تقاضا پورا ہو جائے تو یہ باقی سب کی طرف سے بھی کفایت کر جائے گا۔ یہ وہی لفظ ہے جو

حدیث میں اس طرح آیا ہے: مَا قَلَّ وَکَفٰی خَیْرٌ مِّمَّا کَثُرَ وَاَلْھٰی کہ انسان کو رزق مل رہا ہو اگرچہ وہ قلیل ہو مگر کفایت کر جائے وہ اس رزق سے کہیں زیادہ اچھا ہے جو کثیر ہو مگر غافل کر دے۔ بہتات واقعتہً انسان کو غافل کر دیتی ہے۔ تو "کفایہ" کا لفظ اسی 'کفی' سے بنا ہے۔ جیسے کہ آپ کو معلوم ہے قتال فی سبیل اللہ فرضِ عین تو صرف غزوۂ تبوک کے موقع پر ہوا تھا' کیونکہ اس موقع پر نفیرِ عام تھی۔ اس سے پہلے وہ فرضِ کفایہ تھا۔ کسی مہم کے لئے جتنے لوگ درکار ہیں وہ نکل آئیں تو بس کافی ہے' باقی کی طرف سے وہ ادا ہو گیا۔ فرض کریں کسی مہم کے لئے پانچ سو آدمی درکار ہیں' کوئی ایک چھوٹا سا پراجیکٹ ہے جس پر حضورؐ کو ایک سو آدمی بھیجنے ہیں' یا کسی چھاپہ مار کارروائی کے لئے صرف پچاس آدمیوں کی ضرورت ہے' تو مطلوبہ تعداد میں آدمی نکل آتے تو بس ضرورت پوری ہو جاتی' باقی سب کی طرف سے فرض ادا ہو جاتا۔ لیکن اگر کفایت نہیں ہو رہی ہو تو سب کے سب مجرم ہو رہے ہوں گے' سب کے سب گناہ گار ہو رہے ہوں گے۔

اسی کو ہم کہتے ہیں کہ معتدبہ تعداد میں یا مؤثر تعداد میں لوگ فراہم ہو جائیں کہ جس سے اس اجتماعی عمل کے تقاضے پورے ہو جائیں۔ جہاں تک اصلاح کا تعلّق ہے تو وہ توبہ کی شرطِ لازم ہے' خواہ توبہ اجتماعی ہو یا انفرادی۔ اسی طرح توبہ کی باقی شرائط بھی پوری ہونا ضروری ہیں۔ البتہ کسی معاشرے میں اتنے لوگ توبہ کر لیں کہ اجتماعی توبہ کے تقاضے پورے ہو جائیں تو یہ فرضِ کفایہ ادا ہو جائے گا اور یہ توبہ اللہ تعالےٰ کے یہاں قابل قبول ہو جائے گی!

انفرادی توبہ کے بارے میں میں نے سب سے پہلی بات یہ کہی تھی کہ یہ توبہ یکدم ہونی چاہئے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں اجتماعی توبہ یکدم نہیں ہو سکتی ہے' یہ تدریجاً ہو گی۔ ایک آدمی نے توبہ کی' جاگو اور جگاؤ کا عمل شروع ہوا' اس نے دوسروں کو توجّہ دلائی' دو ہو گئے۔ دو سے پھر چار' چار سے آٹھ اور آٹھ سے سولہ ہوئے۔ ظاہر بات ہے کہ وہ مطلوبہ تعداد ایک دن میں تو نہیں مل جائے گی۔ ایک دن میں تو وہ رسولوں کو نہیں ملی۔ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں ملی۔ آپ کو معلوم ہے کہ پہلے چار آدمی ایمان لائے: ابوبکر' خدیجہ' زید بن حارث اور علی (رضی اللہ عنہم) اور اس کے بعد اب تدریجاً اضافہ ہوا۔ چار سے چالیس ہو گئے اور یہ چالیس چھ سال کے بعد ہوئے ہیں۔ اس لئے کہ صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ چھٹے سال میں ایمان لائے ہیں اور جب حضرت عمرؓ ایمان لائے ہیں تو چالیس کا عدد پورا ہوا

ہے۔ آپ سے پہلے انتالیس لوگ مسلمان ہو چکے تھے۔ اور اس سے اگلے چھ سالوں میں ان چالیس سے سو ڈیڑھ سو تک تعداد پہنچ گئی۔ اور اس کے بعد تعداد تیزی سے آگے بڑھی۔ اس اعتبار سے اجتماعی توبہ کا عمل لامحالہ تدریجی ہے' جبکہ انفرادی توبہ یک دم ہوگی اور کُلی ہوگی۔

اب آپ یہاں نوٹ کر لیجئے کہ یہ وہی تدریجی عمل ہے جس کو میں انقلابی عمل بھی کہا کرتا ہوں۔ ایک آدمی بدلے' دس بدلیں' سو بدلیں' ایک معتدبہ تعداد تبدیل ہو' وہ انقلابی عمل کے تقاضے پورے کرے تو انقلاب آجائے۔ ورنہ ؎

نہ تم بدلے، نہ دِل بدلا، نہ دل کی آرزو بدلی
میں کیسے اعتبارِ انقلابِ آسماں کر لوں ؟

انقلاب کے معنی ہیں بدلنا۔ ایک آدمی نے توبہ کی تو وہ بدل گیا۔ اس کا عمل بدل گیا' اس کا کردار بدل گیا' اس کے شب و روز بدل گئے' اس کی دلچسپیاں بدل گئیں' اس کے مقاصد بدل گئے' اس کا نصب العین بدل گیا۔ تو انفرادی توبہ انفرادی انقلاب ہے۔ لیکن اجتماعی توبہ اجتماعی انقلاب ہے۔ اس کا عمل تدریجی ہوگا۔ اس میں دعوت و تبلیغ' تنظیم' تربیت' صبرِ محض (Passive Resistance) اور اقدام (Active Resistance) کے مراحل آئیں گے۔ اور کچھ خون کی زکوٰۃ نکالنی پڑے گی۔ شعر بہت مشہور اور عام ہے ؎

شہید کا جو خون ہے وہ قوم کی زکوٰۃ ہے
شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے

درحقیقت شہدا کا جو خون بہتا ہے اس سے اجتماعی سطح پر گویا قوم کی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔ اس کے بغیر انقلاب نہیں آتا۔ اجتماعی اصلاح نہیں ہوتی۔ اگر ہو سکتی ہوتی تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایک انسان کا' مسلمان تو کجا' کسی کافر کا بھی خون کا قطرہ زمین پر گرانا پسند نہ کرتے۔ کجا یہ کہ خود آپؐ کے خون سے زمین رنگین ہوئی۔ یومِ طائف میں آپ کے پائے مبارک لہولہان ہوئے اور طائف کی سرزمین میں آپ کا خون جذب ہوا۔ دامنِ احد میں آپ کا چہرۂ مبارک لہولہان ہوا اور اس سے خون کا فوارا پھوٹا۔ میں نے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں منہجِ انقلابِ نبوی کے چھ مراحل بارہا بیان کئے ہیں۔ اس کو آپ تدریجی عمل کہہ لیں' تدریجی توبہ کہہ لیں یا انقلابی عمل کہہ لیں۔ اسی عمل کو ہمیں تدریجاً اختیار کرنا ہے۔

اجتماعی سطح پر غلطی کی نشاندہی

اب اس کے ذیل میں ہمیں جائزہ لینا ہے کہ خطا کہاں ہوئی' اجتماعی سطح پر غلطی کہاں ہوئی؟ ظاہر بات ہے کہ اس سے توبہ تو کرنی ہو گی۔ انفرادی طور پر تو معلوم ہوتا ہے کہ میں کہاں کہاں حرام خوری کرتا رہا ہوں۔ لیکن اجتماعی سطح پر پہلے یہ تعین کرنا ضروری ہے کہ کیا کوتاہی ہوئی ہے اور کہاں پر ہوئی ہے! اگر اجتماعی غلطی کا تعین نہیں کریں گے تو اجتماعی توبہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس ضمن میں آج میں نے اپنی گفتگو کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

اجتماعیت کی ہمارے یہاں دو صورتیں ہوتی ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے یہاں دو طرح کی جماعتیں ہیں۔ ایک خالص سیاسی جماعتیں جن کا دین کے بارے میں نہ کوئی دعویٰ ہے' نہ دین سے کوئی عملی لگاؤ ہے! نعروں میں تو دین کا نام انہیں بھی لینا پڑتا ہے' لیکن ان کا دین سے کوئی سروکار نہیں۔ ان خالص سیاسی جماعتوں کے بارے میں میرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ان سے شکوہ عبث ہے۔ جب ان کا کوئی دعویٰ ہی نہیں تو ان سے توقع کا ہے کی!۔

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب   کیا کسی کا گلہ کرے کوئی!

البتہ ان کے ضمن میں چار باتیں نوٹ کر لیجئے:

(i) ان کا اصل مقصد ہوتا ہے حصولِ اقتدار۔ سیاسی جماعتیں اسی لئے بنتی ہیں۔ ان کا منشور ہوتا ہے کہ اگر ہمیں حکومت ملے گی تو ہم یہ کریں گے۔ ہماری سیاسی جماعتوں کے پاس تو خیر کوئی منشور اور پروگرام ہوتا ہی نہیں' صرف حصولِ اقتدار ہی ان کا ہدف ہوتا ہے

(ii) کوئی سیاسی جماعت عوام کو بدلنے کی کوشش نہیں کرتی۔ سیاسی جماعت کے اعتبار سے یہ کام حماقت ہے۔ وہ تو عوام کے احساسات کی ترجمانی کر کے اور ان کی جو خواہشات ہیں ان کو نعروں کی شکل دے کر ایک سیلاب کا ریلا اٹھانے اور اس کی موجوں پر سواری کر کے اقتدار میں آنے کی خواہش مند ہوتی ہیں۔ یہی سیاسی عمل ہے اور جو سیاست دان ایسا نہیں کرتا وہ احمق ہے' وہ سیاست دان نہیں ہے۔ آپ یہ دیکھیں کہ قوم کا مزاج کیا ہے' قوم چاہتی کیا ہے' قوم کے اصل مقاصد کیا ہیں اور انہی کو نعرہ بنا کر سامنے لے آئیں تو قوم آپ کا جھنڈا اٹھا لے گی اور زندہ باد کے نعرے لگائے گی۔ اس لئے کہ لوگ یہ جانتے ہیں کہ یہ وہی کہہ رہا ہے جو کہ ہم چاہتے ہیں۔ تو لوگوں کے جو واقعی اور حقیقی احساسات ہوتے ہیں' جو ان کی اصل

خواہشات ہوتی ہیں' اور جو بات خود ان کے اپنے دلوں میں ہوتی ہے وہی وہ اپنے لیڈروں سے سننا چاہتے ہیں ـــــــ اگر ایمان ہے تو ایمان کی بات' اگر دل میں نفاق ہے تو نفاق کی بات۔ قوم کے یہاں بے حیائی ہے تو لیڈروں کو بے حیائی اپنانی پڑتی ہے۔ ہمارے یہاں تقریروں میں سبّ و شتم اور گالی گلوچ کا رواج سب سے پہلے بھٹو صاحب نے ڈالا تھا' اس لئے کہ ان کو معلوم تھا کہ قوم اس سے خوش ہوتی ہے' قوم کی اکثریت کا مزاج یہی ہے!

(iii) کسی بھی صورت حال سے اپنے مقاصد کے لئے بھرپور انداز میں فائدہ اٹھانا سیاست کا جزوِ لازم ہے۔ اس میں سیاست دان کے سامنے قوم کا مقصد اور ملت کی فلاح نہیں رہتی' ساری سوچ بچار ذاتی مفاد کے لئے ہوتی ہے۔ صورت حال کتنی ہی خوفناک ہو سوچا یہ جائے گا کہ ہم اس سے کتنا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہر کسی کا نقطۂ نظر اس کے نصب العین کے مطابق ہوتا ہے۔ اگر نصب العین ہی حصولِ اقتدار ہو تو ہمیشہ قومی نقطۂ نظر کے بجائے اپنے جماعتی اور ذاتی اقتدار کے نقطۂ نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

(iv) سیاسی جماعت کا کام یہ ہے کہ وہ لامحالہ سکہ رائج الوقت استعمال کرے۔ معاشرہ میں اگر رشوت کا لین دین ہے تو وہ بھی سیاسی رشوتیں دے' ہارس ٹریڈنگ کرے۔ پاگل ہو گا وہ سیاست دان جو اس کوچے میں قدم تو رکھے لیکن اس طرح کا لین دین نہ کرے۔ جب معاشرہ میں دولت کا چلن ہے اور ہر سطح پر ہارس ٹریڈنگ ہو رہی ہے تو وہ بھی دولت استعمال کرے کیونکہ سکہ رائج الوقت دولت ہے۔ کسی جگہ سکہ رائج الوقت برادری ہے تو برادری کے تعلقات کو استعمال کرے۔ اسی طرح کہیں جاگیرداری کا سکہ چل رہا ہے تو وہی سکہ استعمال کرنا پڑے گا۔ نہیں کریں گے تو آپ اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماریں گے۔ سرداری نظام ہو گا تو سرداری سکہ چلے گا۔ آپ کسی بڑے سردار کے مقابلے میں کسی دوسرے آدمی کو کھڑا کر کے حماقت کا ارتکاب کریں گے۔ زیادہ سے زیادہ چوائس آپ کے پاس یہ ہو گا کہ آپ ان سرداروں میں سے کسی کو چن لیں۔ قریشیوں میں سے' گیلانیوں میں سے' کھرلوں میں سے' ٹوانوں میں سے' لغاریوں میں سے' یا مزاریوں میں سے ـــــ لیکن یہ کہ سکہ رائج الوقت سے ہٹ کر سیاست کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اگر آپ اپنے کچھ معیارات بنا کر اس سیاست میں آنا چاہیں تو شکست آپ کا مقدر ہو گی۔ چنانچہ ان اصولوں اور معیارات کے پیش نظر سیاسی جماعتوں سے قوم و ملت اور ملک و دین کی خیر خواہی کی توقع میرے نزدیک کارِ عبث ہے۔

اصل شکوہ ــــ مذہبی جماعتوں اور علماء سے!

اس ضمن میں مجھے اصل شکوہ مذہبی جماعتوں اور رجالِ دین سے ہے۔ انہی سے ہم توقعات وابستہ کر سکتے ہیں اور انہی پر سب سے بڑھ کر ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ جب ہمارے علماء اس حدیث کو سن کر خوش ہوتے کہ "العلماءُ ورثۃ الانبیاء" تو انہیں یہ بات بھی مدِ نظر رکھنی چاہئے کہ جہاں مقام و مرتبہ زیادہ ہوتا ہے اتنی ہی زیادہ ذمہ داری ہوتی ہے۔ حضورؐ اگر سید المرسلین ہیں تو آپؐ کی ذمہ داری بھی تمام مرسلین سے کٹھن ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہے کہ مجھے وہ ساری مصیبتیں اور تکلیفیں برداشت کرنی پڑی ہیں جو تمام انبیاء نے برداشت کی ہیں ع جن کے رتبے ہیں سوا ان کی سوا مشکل ہے! لہٰذا ہمیں غور کرنا چاہئے کہ ان سے کیا خطا اور کیا غلطی ہوئی ہے۔ اور میں اس سلسلے میں ایک بات پہلے عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ اسے ذاتی احتساب (Self Criticism) سمجھئے۔ میں بھی دین کا ایک خادم ہوں۔ میں نے اپنی جوانی کے دس برس ایک بڑی عظیم دینی جماعت اور تحریک کے ساتھ گزارے ہیں۔ تو یہ درحقیقت دوسروں پر تنقید نہیں ہے بلکہ میں اپنے آپ کو ان میں شامل کر کے بات کر رہا ہوں۔ میں جس غلطی کی نشان دہی کرنے چلا ہوں میں خود اس میں مبتلا رہا ہوں۔ لہٰذا یہ نہ سمجھ لیجئے کہ میں اپنے آپ کو پاک صاف قرار دے کر بات کر رہا ہوں۔ اس ضمن میں میں یہ تذکرہ بھی کر دوں کہ میرا تعلق جماعت اسلامی سے دس برس رہا ہے۔ اور جو غلطی میں آج بیان کر رہا ہوں اسی بنیاد پر مجھے جماعت سے علیحدگی اختیار کرنی پڑی تھی لیکن میں نے اس پر جو تنقید لکھی تھی وہ جماعت سے نکل کر نہیں' بلکہ جماعت میں رہتے ہوئے لکھی تھی' جبکہ میں جماعت کا رکن تھا اور ایک لوکل جماعت کا امیر تھا۔

میرا بہرحال ایک مزاج ہے کہ جو کام اختیار کرتا ہوں دل و جان سے کرتا ہوں۔ میں نے کبھی بھی تحریک اسلامی اور جماعت اسلامی کو اپنا ثانوی شغل نہیں سمجھا تھا' بلکہ اس کو اپنی زندگی میں اولیت دی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان کا ناظم اعلیٰ بھی رہا' جماعت میں جاتے ہی ساہیوال کا (جو کہ اُس وقت منٹگمری کہلاتا تھا) امیرِ جماعت بنا اور جماعت کا دستور بنانے کے لئے پورے پاکستان سے ہر حلقہ سے دو دو افراد کا جو انتخاب کیا گیا تھا گویا جماعت کی دستور ساز اسمبلی منتخب کی گئی تھی' اس میں حلقہ اوکاڑہ سے ایک میں بھی تھا۔

بہرحال میں نے اُس وقت اپنا وہ بیان لکھا جسے بعد میں کتابی صورت دی گئی۔ وہ ایک پارٹی ورکر کے احساسات ہیں جو دیکھتا ہے کہ ہم سے ایک غلطی ہو رہی ہے' اجتماعی سطح پر ہم ایک غلط رخ پر بڑھ آئے ہیں۔ ہمیں اپنا جائزہ لے کر' سوچ کر اس کے مالہٗ وماعلیہ پر غور کرکے اپنی غلطی کی اصلاح کرلینی چاہئے۔ وہ اپنی جماعت کو اس غلطی سے آگاہ کرتا ہے اور اس کی اصلاح کی طرف توجہ دلاتا ہے اور میں آپ سے اللہ کو گواہ بنا کر کہہ رہا ہوں کہ جب میں نے وہ بیان لکھا تھا اُس وقت میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ میں کبھی جماعت سے علیحدہ ہونے پر مجبور ہو جاؤں گا۔ میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ میرا جماعت کے علاوہ کوئی وجود بھی ہو سکتا ہے۔ وہ کتاب " تحریک جماعت اسلامی۔ ایک تحقیقی مطالعہ " ہے۔ اس کو بدنام کر دیا گیا ہے' حالانکہ اس کے سوا دو سو صفحات میں سے سو صفحات تو وہ ہیں جو میں نے جماعت کی تائید میں' جماعت کے بنیادی نقطۂ نظر' قبل از تقسیم جماعت کے طریق کار اور اس کے خصائص کی صد فی صد تائید میں لکھے ہیں۔ تو اس وقت صرف یہ کہنا مقصود ہے کہ یہ خود احتسابی ہے، کسی باہر کے آدمی کی تنقید نہیں۔

مذہبی جماعتوں اور علماء کے کرنے کے اصل کام

میرے نزدیک رجالِ دین اور دینی جماعتوں کو اصلاً دو کام کرنے چاہئیں تھے۔ انہوں نے ایک تیسرا کام شروع کر دیا اور بس یہی ان کی غلطی ہے۔ اصل کام کیا کرنے چاہئیں تھے؟ پہلا کام دعوت و تبلیغ اور انفرادی توبہ کے عمل کو بڑھانا! اجتماعی توبہ انفرادی توبہ کے بغیر تو ہو ہی نہیں سکتی۔ جب تک معتدبہ افراد توبہ نہ کرلیں اجتماعی توبہ ممکن ہی نہیں۔ چنانچہ لوگوں کو دعوت و تبلیغ اور نصیحت کی جائے' اس بات کو پھیلایا جائے' عام کیا جائے' لوگوں کو اللہ کی طرف رجوع کرنے کی دعوت دی جائے' تُوبُوا اِلَى اللہِ تَوبَۃً نَصُوحًا اور فَفِرُّوا اِلَى اللہِ کی پکار لگائی جائے۔ لوگوں کو متوجہ کیا جائے کہ کہاں جا رہے ہو؟ اَیۡنَ تَذۡھَبُونَ؟ دنیوی اعتبار سے بھی اپنے آپ کو ہلاکت و بربادی اور اخروی اعتبار سے بھی عذابِ الٰہی کا مستحق بنا رہے ہو' لوٹو' پلٹو' ہوش میں آؤ! اسی کو کسی زمانے میں ہمارے ایک بزرگ نے ایک اصطلاح کی شکل دی تھی' یعنی' توبہ کی منادی'۔ اب یہ توبہ کی منادی کیا ہے؟ جیسے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کو پکارا۔ یہ الفاظ آپ کو آج بھی انجیل میں ملیں گے:

Repent for the kingdom of heaven is at hand

کہ توبہ کرو' لوٹو' رجوع کرو' پلٹو اللہ کی طرف' اس لئے کہ آسمانی بادشاہت آیا چاہتی ہے۔ اب آسمانی بادشاہت سے مراد کیا ہے اِس وقت میں اس بحث میں جانا نہیں چاہتا ورنہ میں اپنے اصل موضوع سے ہٹ جاؤں گا۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ انجیل میں Repent کا لفظ استعمال ہوا یعنی پچھتاوا۔ اور میں نے عرض کیا تھا کہ توبہ کی شرطِ اوّل یہی ہے کہ پچھتاوا ہو کہ میں نے یہ کیا کیا۔ میں کس حماقت میں مبتلا رہا۔ میں نے کس چیز کو اپنا مقصدِ زندگی بنالیا۔ میں کن کاموں میں اپنی توانائیاں اور قوتیں لگاتا رہا۔ جب پچھتاوا ہو گا تو توبہ ہو گی۔ اس پچھتاوے اور پشیمانی پر ہی اقبال کا یہ شہرۂ آفاق شعر ہے[1] جس پر کہ داغ دہلوی نے بڑی داد دی تھی۔

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لئے
قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے!

پشیمانی سے کسی کی پیشانی پر جو قطرے رونما ہو جائیں تو وہ اللہ کو موتیوں کی طرح پسند ہیں۔ تو ان کے کرنے کا اولین کام تھا توبہ کی منادی اور تجدید ایمان کی دعوت! اب اس کی تفصیل کی طرف میں نہیں جاؤں گا۔ مختصر ترین الفاظ میں یہی کہوں گا کہ تجدیدِ ایمان کا ذریعہ رجوع الی القرآن ہے۔ ایمان کا منبع اور سرچشمہ قرآن مجید ہے۔ ازروئے الفاظ قرآنی:

هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ

اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لانے والی یہ آیاتِ بینات ہیں ۔ اس دعوت و تبلیغ' یا توبہ کی منادی کا نتیجہ انفرادی سوچ و فکر اور اعمال کی اصلاح ہے۔

ان کے کرنے کا دوسرا کام تھا مطالبہ اور مظاہرہ۔ عوام میں اجتماعی ارادہ (Collec-tive Will) جتنا جتنا پیدا ہوتا جائے اور جوں جوں وہ دین کو صرف زبان ہی سے نہیں' دل و جان سے چاہنے لگیں' اتنے ہی بڑے پیمانے پر مطالبے اور مظاہرے کے ذریعے سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیا جائے کہ یہ یہ کام ضروری ہیں' انہیں کرو!

---

[1] اسی موضوع پر ماہر القادری مرحوم کا ایک بڑا پیارا شعر نذرِ قارئین ہے۔

توبہ میں صداقت ہے، نہ تاثیر دعا میں
اشکوں میں اگر رنگِ ندامت بھی نہیں ہے

(مرتب)

اور یہ یہ کام غلط ہیں' انہیں مت کرو' چھوڑ دو! اس امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر میں تفصیلی گفتگو کر چکا ہوں۔ آج آپ کو صرف عنوانات بتا رہا ہوں' تاکہ مضمون مکمل ہو جائے۔[1]

نوٹ کیجئے کہ مظاہرہ لفظِ ' اظہار ' سے بنا ہے جس کے معنی ہیں ظاہر کرنا یعنی مطالبہ کو ظاہر کرنا۔ اور یہ بابِ مفاعلہ ہے جس کا خاصہ شدّت اور اشتراک ہے۔ تو مظاہرہ کا مفہوم ہوگا اجتماعی طور پر کسی مطالبے کو نہایت شدّت و تاکید کے ساتھ ظاہر کرنا' پیش کرنا ، سڑکوں پر نکل آنا کہ یہ کام غلط ہے ' نہیں ہونے دیں گے۔ ایک لاکھ آدمی سڑک پر آجائیں کہ یہ کلمۂ کفر کیوں کہا گیا ہے کہ ہاتھ کان کاٹ دینا مناسب نہیں ہے[2]؟ کس دریدہ دہنی سے قرآن مجید کا انکار کیا جا رہا ہے۔

حکمرانوں کی طرف سے ایسے کلمات کہے جاتے ہیں اور پوری قوم پی جاتی ہے 'اس کو کچھ پرواہ ہی نہیں ہے۔ تب ہی تو پھر ان کو جرأتیں ہوتی ہیں اور ایک سے اونچا ایک کلمہ کہا جاتا ہے۔ آپ کے ملک میں اسلام کے قانونِ شہادت کا مذاق اڑایا گیا اور اس کے خلاف مظاہرے ہوئے ' لیکن اِدھر سے کوئی جوابی مظاہرہ تک نہیں ہوا۔ لیکن جیسے کہ میں عرض کر چکا ہوں ' ان مظاہروں کے لئے پرامن اور منظّم ہونے کی دو شرطیں لازم ہیں۔ غیر منظّم ہجوم (MOB) سے بد نظمی اور Chaos پیدا ہوگا' شر وجود میں آئے گا' توڑ پھوڑ ہوگی' کچھ حاصل نہ ہوگا۔ پوری تاریخ دیکھ لیجئے 'اس سے کوئی مثبت کام نہیں ہو سکتا۔ ہاں تخریبی کام ہو سکتا ہے' کسی کی ٹانگ گھسیٹی جا سکتی ہے ' تعمیر ممکن نہیں ہے!

تعمیری اور مثبت کام ان مظاہروں سے حاصل کئے جا سکتے ہیں جو کہ پرامن اور منظّم ہوں۔ پاکستان میں اہل تشیّع نے ایسے مظاہروں سے اپنی بات منوالی۔ ہمارے لئے اگرچہ وہ منفی بات ہے لیکن ان کے لئے تو وہ مثبت ہے۔ انہوں نے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی ناک رگڑوا دی اور اسے قانون میں ترمیم کے لئے آرڈی ننس نافذ کرنا پڑا جس کی رُو سے شیعوں کو زکوٰۃ

۱۔ اس موضوع پر ڈاکٹر صاحب نے اپنے بعض خطابات میں نہایت شرح و بسط سے گفتگو فرمائی ہے جنہیں مرتب کر کے "نہی عن المنکر کی خصوصی اہمیت" کے عنوان سے کتابچے کی شکل دے دی گئی ہے۔

۲۔ وزیر اعظم بے نظیر بھٹو کے اس بیان کی طرف اشارہ ہے جو قومی اخبارات میں شائع ہوا کہ "ہم لوگوں کے ہاتھ کان کاٹنا مناسب نہیں سمجھتے"۔

سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا۔ اس لئے کہ ایک لاکھ آدمی سیکرٹریٹ کا گھیراؤ کر کے دھرنا مار کر بیٹھ گئے ۔ اور کوئی عام حکمران نہیں ، مطلق العنان چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹران کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو گیا اور اس نے دین کے اندر رخنہ پیدا کرنا منظور کر لیا اور اس نے ان کے دباؤ میں آکر زکوٰۃ جیسے اہم مسئلہ پر دین کو تقسیم کر دیا۔

میں نے ۱۸؍ اگست ۱۹۸۰ء کو ضیاء الحق صاحب سے پہلی ملاقات میں ، جو میں نے علیحدہ اور تنہائی میں کی تھی ان سے کہا تھا کہ آپ اس مارشل لاء کو کب تک طوالت دیں گے ، یہ خودکشی کے مترادف ہے ۔ اور میں نے کہا تھا کہ میں آپ سے ہاتھ جوڑ کر کہتا ہوں کہ آپ زکوٰۃ آرڈی ننس کو پورے کا پورا واپس لے لیں ، یہ تعبّدی امور ہیں ، عبادت کے متعلق ہیں۔ انہیں چھوڑ دیجئے کہ ہر فرقہ اپنے انداز میں کرے ، لیکن خدا کے لئے اس سے امّت میں تفریق پیدا نہ کریں ، ورنہ آپ اس سے بہت سے سنّیوں کو شیعہ بننے کی ترغیب دیں گے۔ اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ یہ کلمۂ حق اس نے مجھ سے آرمی ہاؤس میں کہلوایا۔ لاہور سے حافظ احمد یار صاحب میرے ساتھ اس میں شریک تھے ۔ آپ ان سے اس بات کی تصدیق کر سکتے ہیں ۔ بہرحال شیعوں کے مظاہروں اور احتجاج سے یہ سبق حاصل کیجئے کہ پرامن اور منظم مظاہروں سے نتائج حاصل کئے جا سکتے ہیں ۔ ہنگاموں اور توڑ پھوڑ کے ذریعے نجانے آپ ملک کی گاڑی کو پٹڑی سے اتار کر کہاں لے جائیں ۔ پھر مارشل لا لگ جائے یا کچھ اور ہو جائے مگر مثبت نتیجہ برآمد نہ ہو گا۔

دینی جماعتوں کی عظیم غلطی اور اس کے خوفناک نتائج

ہماری دینی جماعتوں کے کرنے کے اصل دو کام یہ تھے ، لیکن انہوں نے ایک تیسرا کام کر کے ہمالیہ جیسی بڑی غلطی کی ۔ یہ تیسرا کام تھا اقتدار کی کشمکش میں شامل ہونا اور انتخاب کے میدان میں کود پڑنا۔ یہ ہے اصل مرض جس کی میں نشان دہی کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو یہ بات سمجھنے کی توفیق دے اور اگر اللہ کو اس ملک کے حق میں خیر مطلوب ہے اور عذابِ استیصال اس کا مقدّر نہیں ہو چکا تو مجھے امید ہے کہ یقیناً لوگوں کو اس بات کا شعور حاصل ہو گا کہ یہ بہت بڑی غلطی تھی ۔ اس لئے کہ آپ جس نیت سے اس میں حصہ لے رہے ہیں ، اسکے یا تو آپ جانتے ہیں یا اللہ جانتا ہے ۔ آپ کی نیت کتنی ہی خالص کیوں نہ ہو ، ظاہری بات

یہی ہے کہ آپ بھی اقتدار کی جنگ میں شریک ہیں۔ لوگوں کو تو یہی نظر آئے گا نا! آپ کے مدِمقابل تو یہی کہیں گے نا! سوچئے اس بات کو اور اقتدار کی جنگ میں حصہ لینے کے جو نتیجے نکلے ہیں اب وہ گن لیجئے:

(i) اسلام ایک نزاعی مسئلہ بن گیا۔ ایک پارٹی ایشو اور پارٹی پولیٹکس کا عنوان بن گیا۔ آپ کتنے ہی مخلص ہوں اور اسلام کی سربلندی کے لئے انتخابات میں حصہ لے رہے ہوں' آپ کا مخالف تو یہی کہے گا اور لوگوں کو یہی باور کرائے گا کہ یہ اقتدار کے حریص ہیں اور اسلام کو ایک نعرے اور سلوگن کے طور پر استعمال کر رہے ہیں۔ یہ اس کا منطقی نتیجہ ہے۔ چلئے کچھ لوگ آپ کی بات مان لیں گے ———— لیکن کچھ لوگ ان کی بات بھی تو مانیں گے نا! نتیجہ کیا نکلا' کہ اسلام بجائے اجتماعی مسئلہ کے ایک نزاعی اور مابہ الاختلاف مسئلہ بن گیا۔

(ii) اسلام پر کسی ایک جماعت کی اجارہ داری تو تھی نہیں کہ وہی اسلام کے نام پر الیکشن میں حصہ لے' لہٰذا جب کئی مذہبی جماعتیں اس میں کود پڑیں تو اس کا انتہائی خوفناک نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے مابین سیاسی اختلاف صرف اصولی نہیں رہا بلکہ مذہبی جماعتوں کے باہم دست و گریباں ہونے کا عنوان بن گیا۔

(iii) تیسرا خوفناک نتیجہ یہ کہ فرقہ وارانہ کشیدگی جو پہلے ہی سے موجود تھی اس کے لئے انتخابی دھڑے بندیوں نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ ایک شخص کہتا ہے کہ یہ اسلام ہمارا ہے' ان کا نہیں ہے۔ وہ فلاں برانڈ اسلام' اور فلاں برانڈ اسلام وہ اسلام نہیں ہے' اسلام تو یہ ہے جو ہمارے پاس ہے۔ دوسرا کہے گا کہ وہ اسلام نہیں' شرک ہے۔ اسلام تو ہمارا ہے جو توحید والا ہے۔ اب اسلام کئی ہو گئے۔ پہلے تو یہ ہوا کہ اسلام سیاست کا ایک نزاعی مسئلہ بن گیا اور اب اسلام ایک نہیں رہا' کئی ہو گئے۔ اور فرقہ وارانہ اختلافات کو خوب بھڑکا کر انہیں ووٹ لینے کے لئے ذریعہ بنایا گیا۔ ایک بہت بڑے مقرر جو کہ اب فوت ہو چکے ہیں انہوں نے ایک بار الیکشن کے موقع پر حیدر آباد میں تقریر کرتے ہوئے ایسا ڈرامائی انداز اختیار کیا کہ انتہائی درد بھری آواز میں کہا: "لوگو' درود پڑھ لو!" مجمع نے پڑھ لیا۔ "ایک دفعہ پھر پڑھ لو!" انہوں نے رقت آمیز لہجے میں فرمایا۔ مجمع نے پھر پڑھ لیا۔ "ایک دفعہ اور پڑھ لو!" انہوں نے روتے

ہوئے کہا۔ "اس لئے کہ اگر فلاں جماعت برسراقتدار آگئی تو درود پڑھنے پر پابندی لگ جائے گی"۔ اب بتایئے کہ عام آدمیوں کے مجمع میں اس طرح کی بات کا کیا تأثر لیا گیا ہوگا؟ وہ بے چارے سادہ لوح لوگ، نہ انہیں سیاست کی پیچیدگیوں کا علم، نہ وہ درود کے مسئلوں کو جانیں کہ اس میں مسلمانوں میں کوئی اختلاف ہے ہی نہیں، لیکن انہیں ایک دینی جماعت سے بدظن کر دیا گیا۔ تو انتخاب کے میدان میں اس طرح کے ایشوز تو ہوں گے۔ آپ کے پاس کوئی گارنٹی تو نہیں ہے کہ آپ انہیں روک دیں گے۔

ایک چشم کشا مثال

دینی جماعتوں کے انتخابی سیاست میں ملوث ہونے کے نتائج کو میں ایک مثال سے واضح کرنا چاہتا ہوں۔ پاکستان بننے کے فوراً بعد ایک دینی جماعت نے ملک میں اسلامی دستور کا مطالبہ کیا اور یہ مہم چلائی کہ فلاں فلاں چیزیں دستور میں حل ہو جانی چاہئیں۔ وہ جماعت مختصر تھی، اس کے پاس اتنی زیادہ افرادی قوت بھی نہیں تھی، لیکن اُس وقت چونکہ انتخابات وغیرہ کا ابھی کہیں کوئی ذکر نہیں تھا، پاکستان نیا نیا بنا تھا، لہٰذا تمام مذہبی طبقات نے اس کی تائید کی۔ دستور ساز اسمبلی کو اس مطالبے پر مشتمل لاکھوں تار بھیجے گئے، محضر ناموں اور خطوط کا تانتا بندھ گیا۔ کہا جاتا ہے کہ محکمہ ڈاک کے اہلکار تاروں، خطوط اور محضر ناموں سے بھری ہوئی بوریاں لا لا کر سپیکر کی میز پر رکھ دیتے تھے۔ اس مطالبے کو ملک میں اتنا عام کیا گیا کہ ماچس کی ڈبیوں پر بھی چھاپا گیا اور پوسٹ کارڈوں پر بھی اس کی تشہیر کی گئی۔ اور اسمبلی کے اندر اس کے لئے سب سے بڑھ کر ہمت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے کی۔ وہ اُس وقت برسرِاقتدار پارٹی یعنی مسلم لیگ کے ایک اہم رہنما تھے۔ انہوں نے اسمبلی کے اندر کھڑے ہو کر یہ دھمکی دی کہ اگر یہ قراردادِ مقاصد پاس نہیں کرو گے تو میں مستعفی ہو کر ابھی باہر چلا جاؤں گا اور لوگوں سے کہوں گا کہ اب مسلم لیگ نے دھوکا دیا ہے، انہوں نے اسلام کا وعدہ کیا تھا لیکن اب وہ اس وعدے سے منحرف ہو گئے ہیں۔ تب وہ قراردادِ مقاصد پاس ہوئی۔ اتنی آسانی سے پاس نہیں ہو گئی تھی۔

اُس وقت ہماری اسمبلی میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جنہوں نے کہا کہ آج ہماری گردنیں شرم سے جھکی جا رہی ہیں اور ہم دنیا کے سامنے سر اٹھا کر بات کرنے کے قابل

نہیں رہے ع ''کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں!'' بیسویں صدی کے وسط میں ہم اللہ کو قادرِ مطلق ہی نہیں ' حاکمِ اعلیٰ مانیں ؟ جبکہ دنیا میں سیکولرازم کا دور دورہ ہے - بہرحال یہ ایک بہت ہی اونچی اور بہت اعلیٰ مثال ہے کہ اگر صرف دین کا مطالبہ ہو اور آپ حریفِ اقتدار بن کر سامنے نہ آئیں تو تمام دینی عناصر جمع ہوں گے ' آپ کو ان کی تائید حاصل ہوگی - اور پھر خود برسرِ اقتدار لوگوں میں سے بھی سب کے سب تو بے ایمان نہیں ہیں - اُس وقت تو اچھے لوگوں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی - آخر خواجہ ناظم الدین جیسے تہجّد گزار موجود تھے ' سرحد سے سردار عبد الرب نشتر جیسے لوگ تھے 'مولوی تمیز الدین صاحب اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی جیسے لوگ موجود تھے - تو جب تک آپ نے اسلام کو نزاعی مسئلہ نہیں بنایا تھا اور اسے اقتدار کے لئے اِیشو نہیں بنایا تھا آپ کو عوام میں موجود دینی عناصر کی بھرپور تائید بھی حاصل ہوئی اور خود حکومت میں سے بھی آپ کو اپنے مؤیّدین مل گئے ——

یہی دینی جماعت جب اقتدار کی کشکش میں شریک ہوگئی تو نتیجہ کیا نکلا؟ مسلم لیگ کے مقابلے میں واحد جماعت ہونے کے باوجود کسی بھی حلقے سے (سوائے ایک استثناء کے) کامیابی کا منہ دیکھنا نصیب نہیں ہوا - میں ۵۱ء کے اس انتخاب کا خاص طور پر ذکر کرنا چاہتا ہوں 'کیونکہ میں خود اس میں ورکر تھا - آج میں جہاں رہتا ہوں ماڈل ٹاؤن میں 'اس کے پولنگ اسٹیشن پر صبح سے شام تک کھڑا ہوا تھا 'مولانا امین احسن اصلاحی وہاں نمائندہ تھے پنچایت کے - اس الیکشن کے لئے ہم نے خوب کام کیا تھا - خود میں نے اس کے لئے اتنا کام کیا تھا کہ مجھے ٹائیفائڈ ہوگیا اور میں بیماری کے باعث فرسٹ پروفیشنل میں پریکٹیکل کا امتحان نہیں دے سکا 'اگرچہ پیپرز میں مَیں فرسٹ رہا تھا - اس لئے میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ یہ خود احتسابی ہے - میں نے بھی اس راہ میں توانائیاں کھپائی ہیں -

اب میں اس مسئلہ کی طرف آنا چاہتا ہوں جس کے لئے ہمارے ایک معزّز سامع نے 'حزب اللہ' اور 'حزب الشیطان' کے الفاظ استعمال کئے تھے - یہ جو ہم قرآن کی اصطلاحات کو لاکر موجودہ حالات میں چسپاں کر دیتے ہیں یہ نہایت ہی غیر محتاط انداز ہے - آپ دیکھئے ' غور کیجئے کہ اُس وقت مذہب کے نام پر الیکشن میں آنے والی صرف ایک جماعت تھی ' مقابلہ میں بھی صرف ایک جماعت تھی - اتنا صاف اور واضح مقابلہ پھر بعد میں کبھی نہیں

ہوا - ایک طرف صرف ایک سیاسی جماعت مسلم لیگ تھی کوئی اور سیاسی جماعت موجود نہیں تھی - اگرچہ جناح عوامی مسلم لیگ کے نام سے مسلم لیگ کا ایک دھڑا بن گیا تھا' لیکن اصل میں تو مسلم لیگ ہی تھی' دولتانہ صاحب اس کے صدر تھے - اس کے مقابلہ میں آئی جماعت اسلامی - اب اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ جماعت کو حزب اللہ کہیں تو مسلم لیگ حزب الشیطان ہو گئی نا؟ اگر آپ یہی اصطلاحات استعمال کریں گے تو آج وہی مسلم لیگ حزب اللہ میں شامل کرنی پڑے گی اور دوسری کچھ جماعتیں حزب الشیطان میں! میں ابھی عرض کر چکا ہوں کہ یہ قرآنی اصطلاحات کا بڑا ہی غیر محتاط استعمال ہے - سیاسی میدان میں دونوں طرف وہی وڈیرے' وہی سردار' اور وہی جاگیردار ہیں جن کا ایک مزاج' ایک رہن سہن' ایک تہذیب اور ایک سی اقدار ہیں - ان میں کچھ بھی تو فرق نہیں سوائے انیس بیس یا بیس اکیس کے! میں نے ۱۹۴۹ء میں لکھا تھا کہ کیا فرق ہے دولتانہ صاحب میں اور بھٹو صاحب میں؟ آج مجھے بتائیں کہ کیا فرق ہے بے نظیر میں اور عابدہ حسین میں؟ تو اس اعتبار سے جان لیجئے کہ حزب اللہ یا حزب الشیطان کی اصطلاحات کا یہاں چسپاں کرنا درست نہیں ہے -

بہرحال اُس پہلے الیکشن میں تو دو ہی جماعتیں مدمقابل تھیں - ان میں سے ایک کو آپ حزب اللہ کہہ لیں' اور چلیں دوسری کو حزب الشیطان نہ بھی کہیں ——— لیکن آگے چل کر جب دوسری جماعتوں نے دیکھا کہ کوئی ایک جماعت اس میں حصہ لے رہی ہے تو ہم کیوں نہ لیں؟ اس سے پہلے اگرچہ مذہبی جماعتیں موجود تھیں' لیکن ان کی حیثیت سیاسی جماعتوں کی نہ تھی! بریلوی علماء مسلم لیگ ہی میں ضم تھے' ان کا علیحدہ طور پر کوئی تشخص نہ تھا - دیوبندی علمائے پاکستان میں آکر مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب کی قیادت میں جمعیت علمائے اسلام بنالی تھی لیکن وہ مسلم لیگ ہی کا حصہ تھی - اس طرح کی علیحدہ جماعتیں نہ تھیں - وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دیکھا دیکھی ان علمائے اپنے اپنے طور پر یہ سوچنا شروع کیا کہ ہمارا حلقہ اثر زیادہ ہے' عوام ہماری بات زیادہ سنتے ہیں' مسجدیں ہمارے پاس ہیں' جمعہ کے خطبے ہم دیتے ہیں' عوام سے مستقل رابطہ ہمارا ہے' تو کیوں نہ ہم میدان سیاست میں قدم رکھیں؟ -

لازم نہیں کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نا ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی !

اور وہ کوہ طور کی سیر جو شروع ہوئی ہے تو نتیجہ یہ نکلا کہ اب وہ احزاب ہیں' اب آپ ان میں سے کس کو حزب اللہ کہیں گے اور کس کو حزب الشیطان ؟

دینی جماعتیں سیاسی پارٹیوں کے ضمیمے بن کر رہ گئی ہیں - ابھی حالیہ انتخابات میں کسی کا اتحاد تحریک استقلال کے ساتھ ہوگیا اور کسی کا مسلم لیگ کے ساتھ ہوگیا- کوئی اگر علیحٰدہ رہا تو وہ بھی اس لئے کہ اس کا کسی پارٹی سے معاملہ طے نہیں پایا- مولانا فضل الرحمٰن صاحب کا اگر پیپلز پارٹی سے سیٹوں پر معاملہ طے ہو جاتا تو صوبہ سرحد کے اندر وہ ان کے ساتھ ہوتے- تو یہ ہے نتیجہ اس انتخابی عمل میں حصہ لینے کا کہ اب وہ احزاب ہیں' حزب نہیں- اور یہ آپ کا مغالطہ ہے کہ آپ سیکولر جماعتوں کو حزب الشیطان کہیں' وہ بھی تو ایک نہیں ہیں- پیپلز پارٹی سیکولر جماعت ہے' تو کیا تحریک استقلال سیکولر نہیں ہے؟ ان کا انداز مذہبی تو نہیں ہے' کھلم کھلا سیکولر ہے' وہ بھی تو علیحدہ علیحدہ ہیں - کیا آپ کے خیال میں نیپ وغیرہ کوئی مذہبی جماعت ہے ؟ تو آپ کس بنیاد پر یہ کہہ دینا چاہتے ہیں' اگرچہ کتنے ہی خلوص کے ساتھ اور یہ بڑا ہی بچگانہ خلوص ہے' کہ حزب الشیطان متحد ہے اور حزب اللہ بٹی ہوئی اور منتشر ہے- خدا کے لئے اس صورت حال کو سمجھیں کہ یہ درحقیقت ایک بنیادی غلطی ہے- اس کی اصلاح ہوگی تو گاڑی چلے گی- ورنہ اس سے بے چینی و انتشار میں اضافہ ہی ہوگا' اس کے سوا کچھ نہیں!

اجتماعی توبہ کا لازمی تقاضا اور اس کے نتائج

اب اس اجتماعی توبہ کا لازمی تقاضا ہے انتخابی سیاست سے واپسی! اگر یہ مان لیں کہ یہ غلطی ہوئی ہے تو توبہ کا تقاضا ہے کہ اس کو ترک کر دیں- ظاہر بات ہے کہ اس میں کوئی ایک جماعت پہل کرے گی' شاید وہ دوسروں کے لئے بھی مثال بن جائے- اللہ کرے کہ وہ کسی جماعت کو اس کی توفیق دے اور وہ یہ سمجھ لے کہ یہ غلطی ہوئی ہے اور آج میں آپ کو گن کر بتانا چاہتا ہوں کہ وہ جماعت جو اس میں پیش قدمی کرے گی خود اسے جماعتی اعتبار سے تین بڑے بڑے فائدے حاصل ہوں گے :

(i) آپ کو معلوم ہے اس ملک میں جو بھی مذہب سے دلچسپی رکھنے والے لوگ ہیں ان کو سب سے بڑا شکوہ یہ ہے کہ یہ لوگ مذہب کے نام پر ووٹ تقسیم کروا دیتے ہیں اور فتح بقول ان کے "حزب الشیطان" کی ہو جاتی ہے کیونکہ یہ منقسم ہیں - چنانچہ جو جماعت بھی اس سے کنارہ کش ہو جائے گی اس سے تو یہ الزام دھل جائے گا کیونکہ وہ تو ووٹ تقسیم نہیں کرائے گی - پہلے اگر تین جماعتیں تھیں تو اب دو ہو گئیں - پہلے دو تھیں تو اب ایک رہ گئی - کچھ تو اسلام کا کاز آگے بڑھنے کا امکان ہو گا اور اس کا کریڈٹ وہ جماعت لے گی جو کہ قدم پیچھے ہٹانے میں اوّلیت اختیار کرے گی - عوام کہیں گے کہ ہاں انہوں نے ایثار کیا ہے ' قربانی دی ہے ' دین و مذہب کی خاطر اپنی چند سیٹوں کو چھوڑا ہے اور عمومی طور پر الیکشن کے اندر صورت حال بہتر ہو جائے گی -

(ii) ہر جماعت کے ووٹرز کا کچھ نہ کچھ اپنا ایک حلقہ ہے - چنانچہ ہر جماعت کچھ نہ کچھ سیٹیں لے جاتی ہے ' خواہ دو چار ہی ہوں - اور جن حلقوں سے کوئی جماعت کامیاب نہیں ہوتی وہاں بھی اس کے ووٹرز تو ہیں نا! ایک جگہ پر اگر کوئی امیدوار پندرہ ہزار ووٹ لے کر کامیاب ہوتا ہے تو وہاں دس ہزار ووٹ لینے والا امیدوار بھی تو موجود ہے - تو جو جماعت بھی پسپائی اختیار کرے گی اس کے جو ووٹر ہیں وہ لامحالہ کسی دوسری مذہبی جماعت ہی کو ووٹ دیں گے ' ان کے ووٹ کسی سیکولر جماعت کو تو نہیں جائیں گے - چنانچہ تمام مذہبی جماعتیں اب اپنا قبلہ درست کریں گی ' مصالحت کریں گی ' محبّت کی پینگیں بڑھائیں گی کہ آپ کے ووٹ ہمیں ملنے چاہئیں - ہر مذہبی جماعت کا ایک دائرہ ہے ' ایک حلقۂ اثر ہے - جمعیت علمائے اسلام درخواستی گروپ اور مولانا فضل الرحمٰن گروپ کا اپنا اپنا حلقۂ اثر ہے ' جمعیت علمائے پاکستان کا بھی ایک دائرہ ہے ' کہیں کہیں جمعیت اہل حدیث کا حلقۂ خیال ہے ' یہ الگ بات ہے کہ اس وقت ان کا کوئی ایک بھی نمائندہ نہیں آیا - جماعت اسلامی کے کچھ اپنے حلقے ہیں ' سوات اور دیر کے حلقے مستقلاً ان کے زیر اثر ہیں ' کراچی میں بھی ان کے لاکھوں ووٹر ہیں - جب یہ پیچھے ہٹ جائیں گے تو بقیہ دینی جماعتیں ان کے ساتھ اپنے معاملے کو درست کریں گی تاکہ انہیں ان کی حمایت حاصل ہو - اس سے فرقہ وارانہ کشیدگی خود بخود کم ہو گی جو کہ ہمارا سب سے بڑا اور دینی اعتبار سے سب سے تباہ کن مسئلہ بنا ہوا ہے -

(iii) اس سب کا منطقی نتیجہ یہ نکلے گا کہ اگرچہ آپ براہ راست انتخابی عمل میں

ملوث نہیں ہو رہے ہوں گے لیکن آپ بالواسطہ اس پر اثر انداز ہو رہے ہوں گے- کوئی آپ کی جماعت پر یہ الزام بھی نہیں لگا سکے گا کہ آپ اقتدار کے حریص ہیں اور آپ اسلام کا نام اپنے اقتدار کے لئے لے رہے ہیں- جو نمائندے بھی الیکشن میں حصہ لے رہے ہوں گے وہ آپ کے ووٹ لینے کے لئے اسلام کے کچھ تو وعدے کریں گے! ان میں جو بھی نسبتاً قریب تر ہیں آپ ان کی حمایت کیجئے- اب جب آپ یہ کہتے ہیں کہ صاحب آخر انیس بیس کا فرق سہی' انیس والے کی تائید ہونی چاہئے' تو یہی کام آپ الیکشن سے باہر رہ کر کر سکتے ہیں یا نہیں؟- ان میں سے دیکھئے کہ دو جاگیرداروں میں سے جو مذہبی مزاج کا ہو' اس کو سپورٹ کیجئے! اس طرح آپ کا بالواسطہ اثر انداز ہونا ان چند سیٹوں کی نسبت کہیں زیادہ نتیجہ خیز ہو گا-

تو یہ تین عظیم نتائج ہیں جو انتخابی سیاست سے کنارہ کشی سے حاصل ہو سکتے ہیں- اب یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کس کو اس کی توفیق ملتی ہے' کون اولیت اور پیش قدمی اختیار کرتا ہے- میں چونکہ مزاجاً اور ذہناً اور اپنے ماضی کے اعتبار سے قریب ترین ہوں جماعت اسلامی کے' اس لئے ان کے اکابر سے گفتگو ہوئی ہے- میں نے قاضی حسین احمد صاحب سے' پروفیسر عبدالغفور صاحب سے' محمود اعظم فاروقی صاحب سے اور بعض دیگر اکابر سے' بعض نائب امراء سے گفتگوئیں کی ہیں کہ خدا کے لئے سوچو! اور اگر آپ انتخابات سے دست بردار ہو جائیں تو یہ فوائد ہیں جو جماعتی سطح پر آپ کو حاصل ہو جائیں گے اور میری طرف سے یہ بات کھلم کھلا کئی سال سے آ رہی تھی کہ اگر جماعت الیکشن سے واپسی اختیار کر لے تو میں اور میری تنظیم جماعتِ اسلامی میں شامل ہو جائے گی- اب تو میں نے جون کے میثاق میں اور آگے بڑھ کر کہا ہے کہ آپ یہ طے کر لیجئے کہ جماعت کچھ عرصہ کے لئے الیکشن سے الگ رہے گی- میں نے کب کہا ہے کہ الیکشن میں حصہ لینا حرام ہے- آپ معیّن کر لیجئے کہ ہم پچیس سال کے لئے الیکشن کے میدان سے باہر ہیں' تو میں آپ کے ساتھ ہوں-

البتہ اس کے پہلو بہ پہلو دوسرا معاملہ بھی بہت اہم ہے- وہ یہ کہ یہ جو سیاسی عمل ہے' جو کہ زیادہ تر سیکولر عناصر کے درمیان جاری ہے اور مذہبی جماعتیں اس میں پاسنگ کی حیثیت اختیار کر گئی ہیں' اس کو چلنے دیجئے- خدا کے لئے اس کو روکنے کی کوشش نہ کیجئے!

اس کے آگے مصنوعی رکاوٹیں کھڑی نہ کیجئے؟ مذہبی جذبات کو بھڑکا کر انتخابی عمل کو روک دینے کا نتیجہ مارشل لاء کی صورت میں نکلے گا اور مارشل لاء اس ملک کے لئے موت ہے' خود کشی کے مترادف (Suicidal) ہے- میں یہ بات دس برس سے کہہ رہا ہوں- میں نے کرنے کے جو اصل کام گِنوائے ہیں' جتنا جتنا آپ ان کاموں میں بڑھتے جائیں گے' اتنا اتنا آپ الیکشن پر بھی اثر انداز ہوتے چلے جائیں گے- ملک میں اصلاح کا عمل تیز تر ہوتا چلا جائے گا اور تدریجاً اجتماعی توبہ ہوتی چلی جائے گی- اور اس کے بارے میں میں بتا چکا ہوں کہ یہ تدریجاً ہی ہوگی' یک دم نہیں ہو سکتی-

اب میں اپنی اس گفتگو کا اختتام کر رہا ہوں اس بات پر کہ کاش ------ لیکن اصل میں ہمیں لفظ 'دعا' استعمال کرنا چاہئے کیونکہ لفظ 'کاش' اگرچہ عام فہم ہے لیکن ہماری دینی اصطلاح نہیں- تو دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ صحیح بات کو سمجھنے کی اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے- میری بات کو اس انداز سے نہ سمجھئے کہ میں مخالفت کر رہا ہوں- میں نے آج تک اپنے آپ کو تحریک اسلامی سے علیحدہ تصور نہیں کیا- اُس وقت بھی خود احتسابی تھی جب جماعت کے رکن کے طور پر بیان دیا تھا' اور آج بھی خود احتسابی ہے- اس اعتبار سے غور کریں' سوچیں' اس ملک کی بھلائی کے لئے' اسلام کے مستقبل کے اعتبار سے غور و فکر کریں! خدا تعالیٰ جس کو بھی توفیق دے وہ اس میں پیش قدمی کرے- میں تو جمعیت علماءِ اسلام کی دونوں کانفرنسوں میں شریک ہوا تھا' اس میں بھی جو مولانا فضل الرحمٰن گروپ کے تحت ہوئی تھی اور پھر اس میں بھی جو مولانا درخواستی گروپ کے تحت ہوئی تھی- میں دونوں میں گیا- دونوں نے اکرام کیا' اعزاز فرمایا' اسٹیج پر بٹھا دیا اور پوری کارروائی کے دوران اسٹیج پر بیٹھا رہا- میں وہاں اس امید پر گیا تھا کہ سنا تھا کہ مولانا حق نواز جھنگوی مرحوم نے اس سے قبل ایک تقریر میں کہا تھا کہ ہم انتخابات کا راستہ چھوڑ کر انقلاب کا راستہ اختیار کرنے کا اعلان کرنے والے ہیں- میرے لئے تو یہ بہت بڑی خوشی کی بات تھی- چنانچہ میں گیا' لیکن مایوس ہو کر لوٹا- ع "اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے نم ناک!"-

دوسری کانفرنس میں گیا تو وہاں پر بھی مولانا سمیع الحق صاحب نے کلاشن کوف اٹھا کر بڑا انقلابی انداز اختیار کیا' لیکن آخری بات وہی کی کہ الیکشن آ رہا ہے' تیاری کر لو! گویا کہ دونوں کا پرنالہ وہیں گرا-

یارب نہ وہ سمجھے ہیں ' نہ سمجھیں گے میری بات
دل اور دے ان کو جو نہ دے مجھ کو زباں اور !

لیکن یہ مایوسی والی بات ہے - میں بہر حال اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوں - اللہ تعالیٰ ان حضرات کو توفیق دے کہ وہ اپنے پروگرام پر نظر ثانی کریں 'سوچیں 'غور کریں - میں ان کا خادم ہوں 'جو بھی بسم اللہ کر لیں ان کے پیچھے چلوں گا!

تازہ ترین صورت حال

اس وقت ملک میں جو صورت حال ہے اب میں اس کے متعلق مختصراً عرض کر رہا ہوں - حیدر آباد میں مزید دھماکے ہوئے ہیں 'کراچی ایکسپریس میں بھی دھماکہ ہوا ہے 'خوف و ہراس کی کیفیت مزید بڑھ گئی ہے - اور میرے نزدیک سب سے اہم اور تشویش ناک نکتہ یہ ہے کہ گویا یہ ثابت ہو گیا کہ فوج بھی غیر مؤثر ہے - گلی گلی کی تو ناکہ بندی ہے 'ہر چوک پر ایک چوکی ہے 'یک دم یہ جو دھماکے ہوئے ہیں حیدر آباد میں 'یہ بڑی خطرناک بات ہے ------- اس پہلو سے بھی کہ فوج کا مورال (Morale) بھی گرے گا اور اس پہلو سے بھی کہ عوام کی نظروں میں بھی فوج کی عزّت و وقعت گر جائے گی - اور جو دوسرے خوفناک نتائج ہیں وہ الگ ہیں -

دوسری طرف بے نظیر صاحبہ نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ فوج کو دفعہ ۲۴۵ کے تحت اختیارات دینے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا - لیکن بہر حال اب ایک بات مانی ہے ' اس کے لئے بھی ابھی آرڈی ننس تو نہیں بنا ' زیر غور ہے - اس کے ذریعے ایک قدم آگے بڑھایا جا رہا ہے کہ فوج کو پولیس کا وہ اختیار دیا جا رہا ہے جو کہ ایس ایچ او کا ہوتا ہے 'یعنی پرچہ وہ کاٹے گی - یہ ایک مثبت پیش رفت ہے 'خدا کرے کہ اس سے اچھے نتائج نکل آئیں - آپ کو معلوم ہے کہ فوج داری مقدمات میں سارا دارومدار پرچہ پر ہوتا ہے اور پولیس کے اہل کاروں سے زیادہ اس بات سے کون واقف ہے کہ پرچہ میں ایک لفظ کے بدل دینے سے پورے مقدمہ کا رخ ہی بدل جاتا ہے - سارا جرم لکھ کر کہیں ایک لفظ ایسا لکھ دیجئے کہ جس سے سارا جرم کالعدم ہو جائے - اور قانون کا تقاضا ہوتا ہے کہ ایسے مجرم کو شک کا فائدہ دے کر چھوڑ دیا جائے - لیکن اب اگر یہ اختیار فوج کو دیا جاتا ہے کہ پرچہ وہ کاٹے '

(باقی صا۷ے پر)

HOUSE OF QUALITY BEARINGS

KHALID TRADERS

IMPORTER, INDENTOR, STOCKIST, SUPPLIER,
OF ALL KINDS OF BALL, ROLLER & TAPER BEARINGS

WE HAVE :
- BEARINGS FOR ALL INDUSTRIES & MARINE ENGINES.
- AUTOMOTIVE BEARINGS FOR CARS & TRUCKS.
- BEARINGS UNIT FOR ALL INDUSTRIAL USES.
- MINIATURE & MICRO BEARINGS FOR ELECTRICAL INSTRUMENTS.

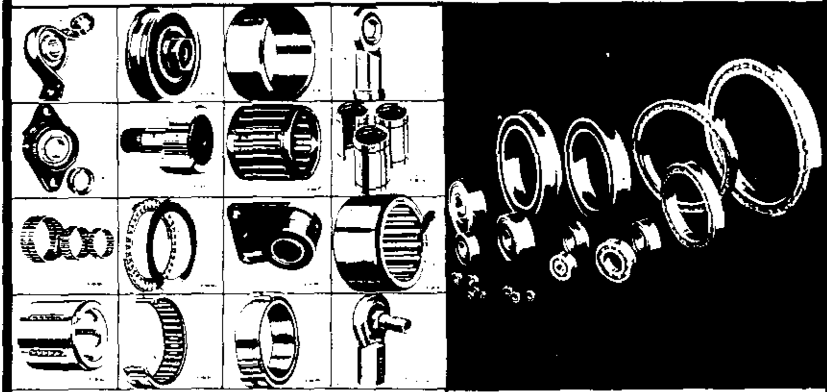

PRODUCTS

HIGH PRECISION

MINIATURE BEARINGS
EXTRA THIN TYPE BEARINGS
FLANGED BEARINGS
BORE DIA .1 mm TO 75 mm

DISTRIBUTOR

RCD KBC

STOCKIST

Koyo NTN NACHI NSK SKF

CONTACT : TEL. 732952 - 735883 - 730595
G.P.O BOX NO.1178.OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI - PAKISTAN
TELEX: 24824 TARIQPK. CABLE: DIMAND BALL.

جہاد فی سبیل اللہ کی غایتِ اولیٰ

شہادت علی النّاس

سورۃ الحج کے آخری رکوع کی روشنی میں

(۴)

بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَہٗ وَاٰخِرَہٗ ! آگے بڑھنے سے قبل سورۃ الحج کی اس آخری آیت میں جو ہمارے زیرِ مطالعہ ہے، ' ھُوَ اجْتَبٰکُمْ ' کے بعد ربطِ کلام کو پہلے سمجھ لینا چاہیئے۔ یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ ' اجتبٰی ' میں کسی مقصدِ معیّنہ کے لیے کسی کا انتخاب پیشِ نظر ہوتا ہے۔ امتِ مسلمہ کا یہ ' اجتبٰی ' یا چناؤ کس مقصد کے لیے ہوا' اس کا جواب آگے آرہا ہے: " لِیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ شَہِیْدًا عَلَیْکُمْ وَتَکُوْنُوْا شُہَدَآءَ عَلَی النَّاسِ" کہ تمہارے اس ' اجتبٰی' (SELECTION) کی اصل غرض و غایت یہ ہے کہ رسولؐ گواہ ہو جائیں تم پر اور تم گواہ ہو جاؤ پوری نوعِ انسانی پر۔ یہ مقصدِ عظیم ہے جس کے لیے تمہارا انتخاب ہوا ہے۔

اسلام دینِ فطرت ہے

لیکن آیت کے اس ٹکڑے سے پہلے ایک ضمنی بات درمیان میں آئی ہے۔ یوں سمجھیے کہ ایک 'SUBORDINATE CLAUSE' جملے کے بیچ میں شامل کر دی گئی ہے۔ چنانچہ جس امت پر یہ بھاری ذمہ داری ڈالی جا رہی ہے اس کی ہمت بندھانے کے لیے کچھ ترغیب و تشویق کے انداز میں فرمایا گیا: " وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ" کہ اس دین کے معاملے میں اللہ نے تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔ ان الفاظِ مبارکہ کا ایک عمومی مفہوم

تو یہ ہے کہ یہ دین' دین فطرت ہے ۔ خلافِ فطرت کوئی حدود اور قیود یہاں عائد نہیں کی گئیں. فطری تقاضوں کے اوپر کوئی غیر فطری بندش اور پابندی یہاں نہیں لگائی گئی ۔ اس کی تعلیمات فطرتِ انسانی کے لیے معروف اور جانی پہچانی ہیں۔ ان سے انسان طبعًا مانوس ہے ۔ اس پہلو سے یہ دین آسان دین ہے ۔ اس میں کوئی تنگی نہیں، کوئی سختی نہیں' اس میں رہبانیت کی پابندیاں نہیں' اس میں نفس کو کچل دینے والی ریاضتیں نہیں۔ اس میں رسومات کا کوئی لمبا چوڑا طومار نہیں ۔ بہت سادہ دینِ فطرت ہے ۔

بنو اسماعیل کے لیے اضافی سہولت

آیت کا یہ مفہوم اُمتِ مسلمہ کے تمام افراد سے متعلق ہے خواہ دنیا کے کسی بھی خطے سے تعلق رکھتے ہوں۔ لیکن بالخصوص ان لوگوں کے لیے جو قرآن کے اوّلین مخاطب تھے' جن سے اس اُمتِ محمدؐ کا نیوکلیس تیار ہوا' جو حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں سے تھے اور اس ناطے اُن کا رشتہ جڑتا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ' اس پہلو سے بھی اس دین میں کوئی تنگی نہیں ہے کہ یہ تو ان کے جدِ امجد ابراہیمؑ کا طریقہ ہے" یہ بیت اللہ جس سے محبت وعقیدت انہیں وراثتًا بھی ملی تھی انہیؑ کا بنایا ہوا گھر ہے جس کے گرد طواف کا سلسلہ ان کے ہاں دورِ جاہلیت میں بھی جاری رہا' قربانی کا سلسلہ جاری رہا' منیٰ اور عرفات کا قیام جاری رہا' یہ سب چیزیں تو تمہاری نسلی اور قومی روایات کا جزو بن چکی ہیں۔ اس پہلو سے تمہارے لیے تو کوئی تنگی نہیں' اس دین کے اور تمہارے درمیان اجنبیت کا کوئی پردہ حائل نہیں۔ ہاں جو غلط باتیں تم نے اس میں شامل کر دی تھیں ان کو ہٹا دیا گیا ہے۔ اسی طرح تمہارے جو اپنے رواج اور معاشرتی طور طریقے تھے بنیادی طور پر انہی کی اساس پر شریعتِ محمدیؐ کا تانا بانا تیار ہوا ہے۔ اُن میں جو چیزیں غلط تھیں انہیں کاٹ پھینکا گیا اور جو صحیح تھیں انہیں برقرار رکھا گیا ۔ لہٰذا یہاں خطاب کے اعتبار سے جو لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن حکیم کے اوّلین مخاطب تھے ان کے حوالے سے کہا گیا : مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۔" یہ تمہارے باپ ابراہیم کا طریقہ ہے. تمہارے لیے اس کے قبول کرنے میں یا اس کے علمبردار اور پرچارک بننے میں کہیں کوئی رکاوٹ نہیں ہے' کوئی اجنبیت کا پردہ حائل نہیں.

آگے ارشاد ہوتا ہے۔ " هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا " اس

نے تمہارا نام رکھا مسلمان، پہلے بھی اور اس میں بھی "۔ اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ حضرت ابراہیم نے بھی اس امت کے لیے لفظ مسلمان تجویز کیا تھا۔ خانہ کعبہ کی دیواریں اٹھاتے ہوئے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام کی زبان پر یہ دعا جاری رہی ۔ " رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ "کہ اے ہمارے رب ' ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار (مسلمان) بنائے رکھ اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک امتِ مسلمہ برپا کیجیو۔ تو تمہارا یہ نام تمہارے جدّامجد نے رکھا ہے ۔ اللہ نے بھی اس کتاب میں ' اس کلام پاک میں تمہیں اسی نام سے موسوم کیا ہے : " اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ "اس پہلو سے گویا ایک مرتبہ پھر اعادہ ہوگیا اُسی حقیقت کا جو اس سے پہلے سورہ حٰمٓ السجدہ کے درس میں آچکی ہے کہ ایک داعیٔ حق اور ایک داعی الی اللہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنا تعارف صرف بطور مسلمان کرائے : " اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ "۔ کسی اور گروہی نسبت یا کسی تعلق کو نمایاں کرنا درحقیقت دعوتِ اسلامی یا دعوت الی اللہ کے مزاج کے منافی ہو جائے گا۔

شہادت علی النّاس : اُمت کا فرضِ منصبی

یہ ضمنی مضمون تھا۔ اس کے بعد اگلے الفاظ مبارکہ کو جوڑ لیجیے "هُوَ اجْتَبٰكُمْ" سے۔ کہ اے مسلمانو! تمہارا انتخاب ہوگیا ہے' تم چن لیے گئے ہو ایک مقصدِ عظیم کے لیے ۔ اور وہ مقصدِ عظیم یہ ہے کہ سلسلۂ نبوت کے ختم ہو جانے کے بعد اب کارِ نبوّت کی ذمّہ داری مجموعی طور پر تمہارے کاندھوں پر ہے ۔ شہادت عَلَی النّاس کا فریضہ جو انبیاء ادا کرتے رہے وہ اب تمہارے ذمّے ہوگا۔ اللہ کی طرف سے خلقِ خدا پر اتمامِ حجت ' اللہ کا پیغام خلقِ خدا تک پہنچا دینا جیسا کہ پہنچا دینے کا حق ہے ' اور اپنے قول و عمل سے اس دین اور اس توحید کی شہادت دینا ' جیسے کہ علامہ اقبال نے کہا ؏ " دے تو بھی محمدؐ کی صداقت کی گواہی !" ـــــ یہ سب کام اب تمہیں بحیثیتِ امت کرنے ہوں گے۔ " لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ " " تاکہ ہو جائیں رسول گواہ تم پر" ـــــ انہوں نے تو ابلاغ و تبلیغ کا حق ادا کر دیا' انہوں نے اللہ کا کلام تمہیں پہنچا دیا خواہ اس راہ میں انہیں ماریں کھانی پڑیں' گالیاں سننی پڑیں' استہزاء اور تمسخر کا ہدف بننا پڑا ' ان پر پتھروں کی بارش ہوئی ' ان کے دندانِ مبارک شہید ہوئے اور خواہ

انہیں اپنے قریب ترین اعزّہ کی جانوں کا نذرانہ اللہ کے حضور میں پیش کرنا پڑا ۔ ذرا تصوّر میں لائیے حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب کے اعضاء بریدہ لاشے کو ۔ ناک کٹی ہوئی، کان کٹا ہوا، اسی پر بس نہیں، سینہ چاک کر کے کلیجہ تک چباڈالا گیا تھا۔ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سارے شدائد جھیلے، تمام مصیبتیں برداشت کیں، مسلسل تیئیس برس سخت ترین مشقت سے آپ کو سابقہ رہا۔ اس میں تین برس کی وہ قید بھی ہے، شعب بنی ہاشم کی قید، جس میں سخت ترین فاقہ اور شدید ترین بھوک کی آزمائش بھی آئی، اسی میں وہ یوم طائف بھی ہے جس کا نقشہ یہ ہے کہ پتھراؤ ہو رہا ہے جسم مبارک لہولہان ہو گیا ہے محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ پھر اس میں غارِ ثور کا وہ صبر آزما مرحلہ بھی ہے، اس میں وہ دامنِ اُحد کا جاں گسل معرکہ بھی ہے، اس میں بدر و حنین کے تمام مراحل آئے لیکن ان تمام مراحل کا نتیجہ کیا ہے! محمد صلی اللہ علیہ نے اللہ کی توحید کی گواہی اس شان سے دی کہ اس کا حق ادا کر دیا۔ اللہ کے کلام کا ابلاغ اس طور سے فرمایا کہ اس کا حق ادا کر دیا ۔ اللہ کے دین کی گواہی اپنے قول سے بھی دی اور عمل سے بھی اور اس دین کے نظام کو عملاً برپا کر کے دکھا دیا تاکہ کسی کے پاس کوئی عذر نہ رہے، کوئی یہ بہانہ پیش نہ کر سکے کہ اے اللہ مجھے معلوم نہ تھا کہ تو کیا چاہتا ہے!

صحابہ کرامؓ کی گواہی

چنانچہ ذرا چشمِ تصوّر سے دیکھیے! حجۃ الوداع کا موقع ہے، عرفات کا میدان ہے، حضورؐ نے اپنے اس آخری حج میں متعدد خطبے ارشاد فرمائے، عرفات کے میدان میں بھی اور منیٰ کی وادی میں بھی۔ تیئیس برس کی محنتِ شاقّہ کا حاصل، ایک لاکھ سے زائد افراد کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا ایک سمندر ہے۔ عرب کے کونے کونے سے کھنچ کر آئے ہوئے لوگ جمع ہیں ۔

حضورؐ خطبہ ارشاد فرما رہے ہیں جس کے آغاز ہی میں آپ یہ فرما کر لوگوں کو چونکا دیتے ہیں کہ لوگو شاید دوبارہ اس مقام پر ملاقات نہ ہو! گویا اشارہ دے دیا گیا کہ یہ الوداعی خطبہ ہے۔ آخری باتیں ہیں جو حضورؐ ارشاد فرما رہے ہیں ۔ اسی خطبے میں وہ الفاظ بھی آئے جن کا حوالہ سورۃ الحجرات کے درس کے ضمن میں دیا جا چکا ہے۔ آپؐ نے اپنی تعلیمات کا ملخص، لب لباب اور اہم نکات کو تکرار و اعادہ بیان فرمایا کہ کسی انسان کو کسی دوسرے انسان پر کوئی فضیلت نہیں۔ عورتوں اور غلاموں کے حقوق کی طرف آپ نے انتہائی تاکیدی انداز میں توجہ دلائی ۔ بڑا مفصّل خطبہ ہے جسے پورا نقل

کرنا یہاں پیش نظر نہیں ہے۔ خطبے کے اخیر میں آپؐ پورے مجمع سے ایک سوال کرتے ہیں: "اَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟ لوگو، کیا میں نے پہنچا دیا ہے؟ صحابہ کرامؓ کا عام معمول یہ تھا کہ حضورؐ جب بھی بغرض تعلیم اُن سے کوئی سوال کرتے تھے تو صحابہؓ بالعموم اولاً اس کے جواب میں کہتے تھے، اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔ (یعنی اللہ اور اس کے رسولؐ بہتر جانتے ہیں) پھر جب آپ دوبارہ یا سہ بارہ سوال کرتے تب وہ اپنی سمجھ کے مطابق مختصر سا جواب دیتے تھے۔ لیکن اس موقع پر ہم دیکھتے ہیں کہ خلافِ معمول اس ایک سوال کا مفصّل جواب صحابہ کرامؓ نے بیک زبان دیا کہ "اِنَّا نَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَ اَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ۔" بلکہ ایک روایت میں مزید تفصیل وارد ہوئی۔ "اِنَّا نَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ وَ اَدَّيْتَ الْاَمَانَةَ وَ نَصَحْتَ الْاُمَّةَ وَ كَشَفْتَ الْغُمَّةَ" کہ اے نبیؐ، ہم گواہ ہیں کہ آپ نے حقِ امانت ادا کر دیا، آپ نے حقِ تبلیغ ادا کر دیا، آپ نے حقِ نصح و خیر خواہی ادا کر دیا، آپ نے گمراہی کے پردوں کو چاک کر دیا اور ہدایت کا سراجِ منیر اور خورشیدِ تاباں آپ کی کوششوں کے نتیجے میں اس وقت نصف النہار پر چمک رہا ہے — حضورؐ نے صحابہ کرامؓ سے یہ گواہی تین مرتبہ لی۔ پھر آپؐ نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور تین مرتبہ زبان سے یہ الفاظ ادا فرمائے: "اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ۔ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ۔ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ"۔ تفصیل یہاں تک آتی ہے کہ آپؐ نے اپنی انگشتِ شہادت سے پہلے اشارہ فرمایا آسمان کی طرف پھر لوگوں کی طرف، زبان پر یہ الفاظ جاری تھے: "اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ" کہ اے اللہ تو بھی گواہ رہ۔ اے اللہ تو بھی گواہ رہ۔ اے اللہ تو بھی گواہ رہ کہ میں آج سبکدوش ہو گیا۔ میری ذمہ داری ختم ہو گئی۔ تیری ایک امانت مجھ تک پہنچی تھی بواسطۂ جبرئیل۔ پیغام تھا نوعِ انسانی کے لیے۔ میری حیثیت امین کی تھی، میں نے وہ ذمہ داری ادا کر دی۔ میں نے وہ پیغام لوگوں تک پہنچا دیا اور اُن سے گواہی لے لی ہے کہ میں نے احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا حق ادا کر دیا ہے۔

حضورؐ نے صحابہؓ سے گواہی کیوں لی؟

غور کرنا چاہیئے کہ حضورؐ نے اس اہتمام کے ساتھ یہ گواہی کیوں لی۔ درحقیقت منصبِ نبوت و رسالت سے سرفراز ہونا جہاں ایک طرف باعثِ عزّ و شرف ہے وہاں دوسری طرف یہ ایک انتہائی کٹھن اور نازک ذمہ داری بھی ہے۔ ایک سادہ سی مثال سے یوں سمجھ سکتے ہیں کہ

اگر آپ اپنے کسی عزیز کو کوئی پیغام بھیجیں کہ فلاں کام فلاں وقت تک ضرور ہو جائے ورنہ بہت بڑا نقصان ہو جائے گا۔ آپ نے کسی کی معرفت وہ پیغام بھیجا۔ گویا درمیان میں ایک ایلچی ہے جو آپ کے پیغام کو آپ کے عزیز تک پہنچانے کا ذمہ دار ہے۔ فرض کیجیے وہ کام نہیں ہوا۔ اب آپ تحقیق و تفتیش کریں گے کہ اس کام کے نہ ہونے کی وجہ سے جو نقصان ہوا ہے اس کا ذمہ دار کون ہے! اگر تو پیغام پہنچ گیا تھا اور پھر اس عزیز نے وہ کام نہیں کیا تو آپ کا سارا گلہ شکوہ اس سے ہو گا، وہ ایلچی بری قرار پائے گا اور اگر کہیں اُس ایلچی نے کوتاہی کی ہے اس نے پیغام پہنچایا ہی نہیں تو ظاہر بات ہے آپ اپنے اس عزیز سے کوئی بازپرس نہیں کر سکتے، سارا بوجھ آئے گا اُس ایلچی پر کہ جس نے وہ ذمہ داری ادا نہ کی۔ یہ ہے وہ نازک اور کٹھن ذمہ داری جو انبیاء و رسل کے کندھوں پر آتی ہے۔ اُن کی جانب سے اگر ابلاغ میں اور پہنچانے میں کوئی کمی رہ جائے تو بقیہ انسانوں سے بازپرس کی نوبت تو بعد میں آئے گی پہلے اُن کی جواب طلبی ہو جائے گی۔

یہ بات سورۃ الاعراف کے آغاز میں نہایت واضح الفاظ میں موجود ہے: "فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ" کہ ہم لازماً پوچھ کر رہیں گے ان لوگوں سے جن کی طرف رسول بھیجے گئے تھے اور ہم لازماً پوچھ کر رہیں گے رسولوں سے بھی۔ اور یہی ہے اس آیت کا حاصل کہ: بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ "کہ اے نبی پہنچا دیجیے جو کچھ نازل ہوا ہے آپ پر آپ کے رب کی جانب سے۔ اگر اس میں کوئی کمی ہوئی تو یہ فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کوتاہی شمار ہوگی۔ اگرچہ بظاہر احوال اس کا ہرگز کوئی امکان نہیں کہ اس معاملے میں نبی اکرمؐ سے کسی کوتاہی کا صدور ہوتا لیکن یہاں دراصل مقام نبوت و رسالت کی نزاکت کا اظہار مقصود ہے۔ یہ بات ایک اور انداز میں بالکل آغاز ہی میں ان الفاظ میں واضح کر دی گئی تھی کہ " اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا۔" ہم آپ پر ایک بھاری بات ڈالنے والے ہیں۔" ایک بہت بڑی ذمہ داری آپ کے کاندھے پر آنے والی ہے۔ یہ ہے وہ بارِ امانت جو نبی اور رسول کے کندھے پر ہوتا ہے۔ رسول اس کو پہنچا کر بری ہو جاتا ہے۔ اس کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔ اس نے گواہی دے دی حق کی، صداقت کی، توحید کی اور جو بھی اللہ کا پیغام آیا تھا اس کی۔ یہ گواہی اس نے قولاً بھی دے دی اور عملاً بھی۔ اور پھر لوگوں سے بھی یہ گواہی لے لی کہ " میں نے پہنچانے کا

حق ادا کر دیا!" اب وہ بری ہو گیا۔ یہ ہے شہادت علی الناس۔ اسی کا ظہور ہو گا روزِ قیامت میدانِ حشر میں۔ جب انفرادی محاسبے سے پہلے امتوں کے محاسبے کا مرحلہ آئے گا۔ امتوں کو اجتماعی جواب دہی کے لیے کٹہرے میں آنا پڑے گا۔

رسولوں کی گواہی اپنی امتوں کے خلاف!

قرآن مجید میں ایک سے زائد مقامات پر یہ نقشہ کھینچا گیا ہے کہ اس وقت ہر امت کی طرف بھیجا جانے والا رسول پہلے سرکاری گواہ (PROSECUTION WITNESS) کی حیثیت سے کھڑا ہو گا اور یہ شہادت دے گا، TESTIFY کرے گا کہ اے رب، تیرا جو پیغام مجھ تک پہنچا تھا میں نے بلا کم و کاست پہنچا دیا تھا۔ اب یہ لوگ اپنے طرزِ عمل کے خود ذمہ دار ہیں۔ یہ خود مسئول ہیں، یہ خود جواب دہ ہیں۔ یہ وہ بات ہے جو سورۃ النساء میں بڑی صراحت سے آئی ہے۔ اور ایک عجیب واقعہ سیرۃ النبیؐ کا اس کے ساتھ متعلق ہے کہ حضورؐ نے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے فرمائش کی کہ مجھے قرآن سناؤ۔ انہوں نے عرض کیا حضورؐ، آپ کو قرآن سناؤں، آپ پر تو وہ نازل ہوا۔ آپ نے فرمایا ہاں لیکن مجھے دوسروں سے سن کر کچھ اور ہی کیف اور حظ حاصل ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امتثالِ امر میں سورۃ النساء کی آغاز سے تلاوت شروع کی اور جب آیت ۴۱ پر پہنچے جس کے الفاظ یہ ہیں: "فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا" "کیا حال ہوگا اس دن جبکہ ہم ہر امت پر ایک گواہ کھڑا کریں گے اور اے نبی آپ کو گواہ بنا کر لائیں گے ان لوگوں کے خلاف!" تو حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا حسبك! حسبك! بس کرو! بس کرو! اب جو میں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

یہ ہے وہ نازک ذمہ داری کہ نبی کو میدانِ حشر میں استغاثہ کے گواہ کی حیثیت سے امت کے خلاف گواہی دینی ہو گی کہ اے رب میں بری ہوں، میں نے پہنچا دیا تھا اور اب یہ اپنے اعمال کے خود ذمہ دار ہیں۔ جیسے کہ سورۃ المائدہ کے اختتام پر نقشہ کھینچا گیا ہے کہ روزِ محشر حضرت مسیح علیہ السلام سے سوال ہوگا ءَ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۔ اے مسیح، کیا تم نے کہا تھا لوگوں سے کہ مجھے اور

میری ماں کو بھی معبود بنالینا اللہ کے ساتھ۔" جواب میں وہ عرض کریں گے کہ پروردگار، اگر میں نے یہ کہا ہوتا تو تیرے علم میں آتا۔ مَیں نے تو وہی کچھ کہا تھا جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا۔ میں نے تو انہیں تیری بندگی کی دعوت دی تھی۔ یہ اپنے عمل کے خود ذمہ دار ہیں۔ یہ ہے وہ شہادت اور گواہی جس کے لیے قرآنی اصطلاح ہے "شہادت علی الناس"۔ دنیا میں تبلیغ، تلقین اور ابلاغ کے ذریعے سے انسانوں پر اللہ کی طرف سے اتمام حجت قائم کرنا، قولاً بھی اور عملاً بھی۔ اور اسی کی بنیاد پر میدانِ حشر میں وہ گواہی ہوگی جس کی تفصیل سورۃ النساء کی آیت ۴۱ کے حوالے سے ہمارے سامنے آ چکی ہے۔

تبلیغِ دین کا کام اب اُمت کے ذمّے ہے!

ہمارے لیے اصل قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ خطبۂ حجۃ الوداع میں حضورؐ نے صحابہ کرامؓ سے گواہی لینے کے بعد آخری بات جو ارشاد فرمائی وہ یہ تھی "فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ" کہ اب پہنچائیں وہ جو یہاں ہیں ان کو جو یہاں موجود نہیں ہیں۔ اللہ کے پیغام کو نوعِ انسانی تک پہنچانے کا جو فریضہ انبیاء سرانجام دیتے تھے وہ اب اس امت کے ذمّے ہے۔ قرآن جو ابدی ہدایت نامہ ہے، اس کی حفاظت کا ذمّہ تو اللہ نے لے لیا۔ اب کسی نئی وحی کی ضرورت بھی نہیں ہے کہ پیغامِ ربّانی اپنے اتمامی اور تکمیلی درجے کو پہنچ چکا: "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا"۔ چنانچہ تکمیلِ دین اور اتمامِ نعمت کے ساتھ ہی بعثتِ انبیاء و رُسُل کا سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین اور آخر المرسلین قرار پائے اور اب اللہ کے پیغام کو خلقِ خدا تک پہنچانے کی ذمّہ داری امت کے کاندھوں پر ڈال دی گئی۔ گویا اب کارِ نبوّت، کارِ تبلیغ، کارِ دعوت، فرائضِ رسالت اور نوعِ انسانی پر اتمامِ حُجّت یہ تمام کام اب تاقیامِ قیامت امت کے ذمّے ہیں۔ یہ فرضِ منصبی، اے مسلمانو اب تمہارے کاندھوں پر اجتماعی حیثیت سے عائد کر دیا گیا۔ یہ ہے وہ عظیم فریضہ اور یہ ہے نبوت و رسالت کے اس "سلسلۃ الذھب" (سنہری زنجیر) میں ایک مستقل کڑی کی حیثیت سے شامل کیے جانے کا مقام اور مرتبہ جو اے امتِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اب تمہیں حاصل ہوا ہے: "هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۵ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ"۔

'اُمتِ وَسَط' کا مفہوم

قرآن حکیم کے اسلوب سے متعلق اس اہم حقیقت کا بیان اس سے پہلے بھی متعدد بار ہوا ہے کہ اہم مضامین قرآن میں دو مرتبہ ضرور ملیں گے تلاش کرنا آپ کا کام ہے۔ اس ضمن میں دلچسپ بات یہ ہے کہ دوسرے مقام پر وہی مضمون بالعموم عکسی ترتیب کے ساتھ آتا ہے۔ اس کی ایک بڑی نمایاں مثال ہمیں یہاں نظر آتی ہے ـــــ چنانچہ یہی مضمون سورۃ البقرہ میں بھی آتا ہے۔ نوٹ کیجیے کہ سورۃ الحج کی اِس آیت میں جو ہمارے زیرِ درس ہے، لفظِ اُمّت وارد نہیں ہوا ہے، گو اس کی تشریح میں میں نے بار بار لفظ امت استعمال کیا ہے، جبکہ سورۃ البقرہ میں یہ مضمون لفظِ اُمّت کے حوالے سے وارد ہوا ہے: " وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا" اے مسلمانو، غور کرو، تمہیں امت کیوں بنایا گیا! لغت میں 'اَمَّ یَؤُمُّ' کے معنی قصد کرنے اور ارادہ کرنے کے ہیں۔ اس اعتبار سے اُمّت کے معنی ہوئے ہم مقصد لوگوں کا گروہ! ایک ایسی اجتماعیت امت کہلائے گی جو کسی ایک مقصد یا کسی ایک نصب العین کے گرد جمع ہو۔ اس اُمّتِ مسلمہ کو جسے سورۂ آل عمران میں 'خیر امّت' بھی کہا گیا (كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ)، یہاں سورۃ البقرہ میں امتِ وسط قرار دیا گیا ہے۔

امت وسط کے دو معنی کئے گئے ہیں۔ ایک تو اس اعتبار سے کہ جو شے درمیانی ہوتی ہے، جو وسط کی ہوتی ہے، وہ بہترین ہوتی ہے۔ اس معنی میں اس کا ترجمہ ہوگا بہترین امت۔ سورۃ آلِ عمران کی آیت ۱۱۰ اس مفہوم کی مزید تائید کر رہی ہے: " كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ "۔ ایک دوسرا مفہوم یہ بھی ہے کہ 'وسط' درحقیقت دو چیزوں کے مابین کڑی (LINK) کو کہتے ہیں۔ گویا اب تم ایک کڑی (LINK) کی حیثیت رکھتے ہو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اور پوری نوعِ انسانی کے مابین۔ جس طرح جبرئیلؑ کڑی تھے اللہ اور محمدؐ کے درمیان! محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا پیغام تم تک پہنچا کر اتمامِ حجت کر دیا اور اس پر تم سے شہادت اور گواہی بھی لے لی۔ اب تم واسطہ اور ذریعہ (LINK) ہو اس پیغام کے آگے پہنچنے کا۔ اب تمہارے ذریعے اس پیغام کو آگے پہنچنا اور پھیلنا ہے۔ نوعِ انسانی پر اتمامِ حجّت تمہارے ذریعے ہونی ہے۔ تو یہ ہے وہ مقصد جس کے لیے اے مسلمانو تمہیں 'امتِ وسط' بنایا گیا ہے ـــــ سورۃ الحج میں پہلے رسول کا ذکر تھا: " لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ " اور اس کے بعد امت کا ذکر آیا: " وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ "

سورۃ البقرہ میں ترتیب الٹ گئی ہے ۔ یہاں امت کے ذکر سے بات شروع کی گئی :
" وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا " ۔ تمہیں بھی قیامت کے روز بطور گواہ پیش ہونا ہوگا اور اللہ کے دربار میں یہ گواہی دینی ہوگی کہ اے اللہ نوعِ انسانی کے نام تیرا جو پیغام قرآن حکیم کی شکل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے ہم تک پہنچا تھا ہم نے خلق خدا تک پہنچا دیا تھا ، ہم نے حقِ تبلیغ ادا کر دیا تھا ۔ اگر ہم نے اپنے اس فرضِ منصبی میں کوتاہی کی اور روزِ محشر ہم یہ گواہی نہ دے پائے تو سوچئے کہ دوسروں کے جرم سے بڑھ کر جرم ہمارا ہوگا ۔ ہماری پکڑ پہلے ہوگی اور سب سے پہلے ہم مسئول اور ذمہ دار قرار دیئے جائیں گے کہ تم اس ہدایت کے خزانے کے اوپر سانپ بن کر بیٹھے رہے ، تم نے اس کو دوسروں تک پہنچانے کا حق ادا نہیں کیا ۔

اُمت کی غفلت شعاری

خلقِ خدا ہم پر الزام دھرے گی کہ اے اللہ یہ تھے تیرے دین کے علمبردار ، یہ تھے تیرے کلام کے امین اور حامل ، انہوں نے نہ صرف یہ کہ ہم تک اسے نہیں پہنچایا خود بھی اس پر عمل نہیں کیا ، یہ اپنے وجود سے خود دین کے لئے ایک حجاب اور رکاوٹ بن گئے ۔ جارج برنارڈ شا کا مشہور قول ہے کہ میں جب قرآن پڑھتا ہوں تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ اس سے بہتر کتاب اور کوئی ممکن نہیں لیکن جب میں مسلمانوں کو دیکھتا ہوں تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ ان سے زیادہ ذلیل قوم کا تصور نہیں کیا جا سکتا ——— یہ ہے وہ عملی شہادت جو مسلمان اپنے وجود سے ، اپنے حال سے دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں ۔

جہاد کا مقصدِ اوّلین : فریضۂ شہادت علی الناس

——— بہر حال یہ شہادت علی الناس ، یہ ابلاغ و تبلیغ دین ، یہ دعوت الی اللہ کا فریضہ ادا کرنا[1] ، یہ ہے جہاد فی سبیل اللہ کی غایت اولی اور مقصد اولین ! یہ ہے وہ فرضِ منصبی جس کی ادائیگی کے لیے بڑی محنت اور کوشش کرنی ہوگی ، اس کے لیے جان و مال اور اوقات کا ایثار کرنا ہوگا ۔ خلقِ خدا

---

[1] نبی اکرم کا فرمان ہے " بَلِّغُوْا عَنِّيْ وَلَوْ اٰيَةً " پہنچاؤ میری جانب سے خواہ ایک ہی آیت !

پر خدا کی طرف سے اتمامِ حجت کا حق تبھی ادا کیا جا سکے گا کہ وہ یہ نہ کہہ سکے کہ اے اللہ تیرا پیغام ہم تک پہنچایا ہی نہیں گیا! یہ ہے وہ مقصدِ عظیم جس کے لیے اس شد و مد کے ساتھ اس آیت میں جہاد کی تاکید کی گئی: " وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِهَادِہٖ "

بسم اللہ کرو، عمل کے میدان میں قدم رکھ دو!

———— اب ہم اس آیۂ مبارکہ کے آخری حصّے پر پہنچ گئے ہیں جس میں بڑے ہی عملی انداز میں یہ بات سامنے لائی گئی ہے کہ اگر بات سمجھ میں آ گئی، اپنے فرائضِ دینی کا شعور حاصل ہو گیا " اِرْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ، وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِهَادِہٖ" کے حوالے سے مطالباتِ دین کی چاروں سیڑھیاں اگر نگاہوں کے سامنے آ گئیں، تمہیں اگر معلوم ہو گیا کہ ایمان کا تقاضا کیا ہے تو بِسْمِ اللّٰہِ کرو، قدم بڑھاؤ اور عمل کا آغاز کر دو! نوٹ کیجیے یہاں گفتگو کا آغاز ہو رہا ہے 'ف' کے حرف سے۔ جیسے دو مرتبہ یہ کلمۂ 'فَا' بڑے بامعنی انداز میں آیا ہے سورۂ تغابن میں۔ اسی طرح کا معاملہ یہاں ہے " فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ"، بسم اللہ کرو، پہلی سیڑھی پر قدم رکھو، یعنی نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو، سفر کا آغاز کر دو! فرائضِ دینی میں سے جو پہلا فرض ہے اُس کو تو پوری مضبوطی کے ساتھ پکڑو، اس پر تو کاربند ہو جاؤ! یہاں دیکھیے وہ بات جو میں نے آغاز میں عرض کی تھی کہ وہاں 'اِرْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا' میں محض نماز کی طرف اشارہ نہیں ہے بلکہ تمام ارکانِ اسلام مراد ہیں۔ چنانچہ یہاں اسی نماز کی کوکھ سے زکوٰۃ برآمد ہو گئی: فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ —— وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰہِ اس پہلی سیڑھی پر قدم جما کر آئندہ کے مراحل کے لیے اللہ سے چمٹ جاؤ۔ عصمت کہتے ہیں حفاظت کو۔ اعتصام سے مراد ہے حفاظت کے لیے کسی سے چمٹ جانا۔ اصل میں یہاں تصویر لفظی ہے کہ کسی بچے کو اگر کہیں کسی طرف سے اندیشہ ہو خوف لاحق ہو وہ اپنی ماں سے چمٹ جاتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میں قلعے میں آ گیا ہوں اور ہر خطرے سے محفوظ ہو گیا ہوں۔ یہ ہے اعتصام. وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰہِ۔ آئندہ کے مراحل کے لیے اللہ سے چمٹ جاؤ، اللہ کی حفاظت میں آ جاؤ، اللہ ہی کو اپنا مددگار سمجھو، اللہ کی تائید و توفیق پر بھروسہ رکھو! منزلیں بڑی کٹھن ہیں، ان فرائض کی ادائیگی آسان نہیں، اِن میں سے ایک سیڑھی بڑی ہی بھاری اور ایک پر ایک منزل بڑی کٹھن ہے لیکن یہ کہ اللہ کا نام لے کر آغازِ سفر تو کرو۔ " فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ "

نماز اور زکوٰۃ کے ذریعے بِسۡمِ اللّٰہ کرو، اور آئندہ کے لیے اللہ پر توکل کرو، اسی پر بھروسہ رکھو! فَنِعۡمَ الۡمَوۡلٰی وَنِعۡمَ النَّصِیۡرُ۔ "کیا ہی اچھا ہے وہ مددگار کیا ہی اچھا ہے وہ پشت پناہ"۔ جسے اُس کی حمایت میسر آ جائے اب اس سے بڑھ کر کسی کو کس کی حمایت حاصل ہو گی! جس کو اس کی نصرت و تائید مل جائے اس سے بڑھ کر مطمئن اور بے فکر اور کون ہو گا!

"حبل اللہ" کی تعیین

یہاں ایک بات ذہن میں رہے کہ 'وَاعۡتَصِمُوۡا بِاللّٰہِ' کے الفاظ میں ایک اجمال ہے۔ قرآن مجید کا ایک حصہ دوسرے حصے کی تفسیر کرتا ہے۔ القرآن یُفَسِّرُ بعضُہٗ بعضًا۔ تو 'واعتصموا باللہ' کی مزید شرح ہمیں ملے گی سورۂ آل عمران میں: "یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ"۔ اب یہاں دیکھئے کہ "حَقَّ تُقٰتِہٖ" میں لفظی مناسبت موجود ہے "حَقَّ جِہَادِہٖ" اور "حَقَّ قَدۡرِہٖ" کے اسلوب میں یہاں "حَقَّ تُقٰتِہٖ" کے الفاظ آئے ہیں۔ اگلی آیت میں فرمایا: "وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ جَمِیۡعًا" اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔ گویا وہاں اللہ سے چمٹنے اور اس کے دامن سے وابستہ رہنے کے لیے اس کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم ہے۔ لیکن یہ سوال پھر باقی رہ گیا کہ اللہ کی وہ مضبوط رسی کونسی ہے؟ اس سوال کا قرآن مجید میں جواب نظر نہیں آتا۔ قرآن مجید کے اِس اجمال کی مزید تفصیل ہمیں ملتی ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات میں۔ اس لیے کہ قرآن حکیم کے کسی اجمال کی تفصیل اور تبیین کرنا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف حق نہیں آپؐ کا فرضِ منصبی ہے: "وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الذِّکۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡہِمۡ"۔ "اور نازل کیا ہم نے یہ ذکر آپ کی طرف تاکہ اے نبی آپ توضیح کر دیا کریں، مزید وضاحت کر دیا کریں اس کی کہ جو لوگوں کے لیے نازل کیا گیا"۔ چنانچہ مذکورہ بالا سوال کا جواب ہمیں نبی اکرمؐ کے ایک فرمان میں ملتا ہے جس کو حضرت علیؓ نے روایت کیا ہے۔ وہ ایک طویل روایت ہے، جس میں قرآن مجید کی عظمت کا بیان ہے۔ اسی میں یہ الفاظ بھی آپؐ نے ارشاد فرمائے: "ھُوَ حَبۡلُ اللّٰہِ الۡمَتِیۡنُ"! یہ قرآن ہے اللہ کی مضبوط رسی!

(باقی صـ۸۳)

مکتوب گرامی جناب نعیم صدیقی

اور اس کا جواب

از ڈاکٹر اسرار احمد

محترمی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب! السلام علیکم و رحمتہ اللہ۔

تازہ میثاق (جون ۱۹۹۰ء) کے ص ۳۳ پر میرا ذکر مجھے شرمسار کرنے کا باعث ہوا، نجانے اور کتنے اصحاب پر کیا کیا اثرات پڑے ہوں گے۔

میں چونکہ میدانِ خلافیات سے زیادہ ترکنارے رہتا ہوں، نہ ڈائری رکھتا ہوں، نہ کسی کے متعلق یادداشتیں جمع رکھنے کی عادت ہے، اس لئے چند سال کی ایک بات اگر صحیح شکل میں سامنے نہ آئے تو اس کی وضاحت کرنے میں خاصی مشکل ہوتی ہے۔ مگر اتفاق سے وہ گفتگو ذہن میں ابھر آئی ہے اور اس کے بعض خاص جملے بھی، اس لئے آسانی ہو گئی ہے کہ تاریخ کے ریکارڈ کو درست رکھا جائے۔

یہ درست کہ آپ مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور کی سالانہ کانفرنسوں کے سلسلے میں کسی وقت مجھ سے اچھرہ میں گھر پر ملے تھے مگر جو گفتگو ہوئی اس کی رپورٹنگ میں ایسی شکل سامنے آتی ہے کہ آپ تو بڑے جذبۂ اتحاد و تعاون سے آئے تھے مگر آپ کو جواب دیا گیا کہ آپ سے ہمارا شدید اختلاف ہے، اس لئے "میری شرکت ناممکن ہے" (بالفاظ ڈاکٹر صاحب) حالانکہ بات اختلاف کی نہ تھی بلکہ میں نے عرض کیا تھا کہ یہ صورت تو عجیب سی ہوگی کہ آپ کی طرف سے ایک جانب تو محاذِ مخالفت گرم ہو اور دوسری جانب مجالس اور کانفرنسوں میں ہم ایک دوسرے سے تعاون بھی چاہیں۔ اسی کے ساتھ میں نے کہا کہ میں کوئی تنہا فرد نہیں ہوں کہ جدھر چاہوں چل پڑوں، میں ایک جماعتی نظم کا پابند ہوں، میرے لئے یہ فیصلہ کرنا بطورِ خود مشکل ہے کہ میں کہاں جاؤں اور کہاں نہ جاؤں۔ تب آپ نے فرمایا کہ اچھا

میں امیرِ جماعت سے اجازت لے دیتا ہوں۔ میں نے عرض کیا کہ کوئی پیچیدگی پیدا نہ کیجئے۔ فرض کیجئے' میں کسی نہ کسی طرح آپ کے پلیٹ فارم پر پہنچ جاتا ہوں' اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ پورے پاکستان میں اکابر سے لے کر متفقین تک یہ سوال یا شبہ اٹھ کھڑا ہو گا کہ میں وہاں کیوں گیا جہاں سے ناوک اندازی بخلافِ جماعت ہو رہی ہے۔ میں کس کس کو خطوں میں اور زبانی طور پر جواب دیتا پھروں گا۔ تب آپ نے فرمایا کہ پھر کوئی تدبیر بتایئے کہ اِس صورتِ حالات کو درست کیا جا سکے۔ میں نے عرض کیا کہ سارے قضیے کے حل کے لئے ایک فقرہ کافی ہے جو آپ کی طرف سے شائع ہو جائے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ آپ ذرا وہ فقرہ مجھے لکھ دیں یا لکھا دیں (یا بتا دیں)۔ مگر دراصل میں نے اپنا منشا تو آپ تک سِرّی یا اشاراتی طریق سے پہنچا دیا تھا۔ جب آپ سمجھ نہیں رہے تھے اور سمجھ گئے تھے تو اسے اختیار نہیں کرنا چاہتے تھے تو میرا دماغ اتنا کھوکھلا نہیں کہ میں کوئی جملہ لکھ کر آپ سے واضح طور پر "نہ" سنوں۔ جس طرح آپ مجھ سے "نہ" نہیں سننا چاہتے تھے' اسی طرح میں بھی ایسی ٹھوکر سے بچنا چاہتا تھا' چنانچہ میں نے آپ کو یہ جواب دیا کہ :

> "ڈاکٹر صاحب! آپ بہت ذہین ہیں' سوچنے' لکھنے اور بولنے پر قادر ہیں' آپ اس کے محتاج نہیں ہیں کہ کوئی دوسرا آدمی آپ کو جملہ مرتّب کر کے دے"۔

سیدھی سی بات ہے کہ آدمی جھگڑا ختم کرنا چاہتا ہو یا کسی نزاع و تصادم کی دلدل سے نکلنا چاہتا ہو تو اس کا ذہن اسے ضروری الفاظ اور جملے فراہم کر دیتا ہے۔ مگر ارادہ و نیت کچھ اور ہو اور باہر سے لوگ جملے ٹھونسنا چاہیں تو بے کار ہے۔

آپ کے یہ الفاظ کہ "قرآنی پلیٹ فارم پر میرے ساتھ کیوں تشریف نہیں رکھ سکتے" بڑے خوب ہیں۔ آپ قرآن کی بلندی سے فائدہ اٹھا کر خود بھی بلند ہو جاتے ہیں اور قارئین میں بھی بڑی جذباتی لہر اپنے حق میں پیدا کر لیتے ہیں۔ اندازِ بیان کی یہ مہارتیں —— اہلِ سیاست میں اور طرح ہوتی ہیں اور اہلِ مذہب میں اور طرح کام کرتی ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ ہمارے پاس نظامِ اسلامی اور اقامتِ دین کا پلیٹ فارم ہے اور ہم طاغوتی اور لادینی قوتوں سے نبرد آزما ہیں۔ اکوڑہ خٹک کے بزرگ کہتے ہیں کہ ہمارے ہاتھ میں شریعت بل ہے' مولانا منظور احمد چنیوٹی فرماتے ہیں کہ ہمارے ہاتھ میں ختمِ نبوت کا جھنڈا

ہے۔ قادری صاحب کے پاس محبتِ رسالت کا پلیٹ فارم ہے' ایک پلیٹ فارم شہادتِ حسینؓ کا بھی ہے۔ سب اپنے ہیں مگر اصل سوال رویّوں کا ہوتا ہے کہ کس کا رویّہ کس سے کیا ہے۔ آپ نے قرآن کانفرنس تو کئی بار کرڈالی مگر آپ سے یہ رویّہ نہ چُھٹا اور آپ نے ہمارے خلاف جو کھیل شروع کیا وہ ختم نہ ہوسکا۔ آپ ایک ایک ریکارڈ یا ٹیپ کو بار بار اپنے قارئین کو سنواتے ہیں۔ قرآن آپ کو یہ نہیں سکھاسکا کہ آپ غلبۂ دین یا فروغِ دین یا اقامتِ دین کے لئے اگر دوسرے سرگرمِ کار دوستوں سے تعاون نہیں کرسکتے تو بلاوجہ تصادم نہ کریں۔ کوئی وضاحت ایک بار' دوبار کرنی ضروری تھی تو وہ ہوگئی۔ للہ آپ فاشزم' سیکولرازم' نظریۂ ارتقا' بے خدا جمہوریت' سودی نظام' کمیونزم' مغرب میں خاندانی زندگی کا انتشار (اور ان ساری بلاؤں کا عکس اپنے ہاں موجود ہے) وغیرہ موضوعات پر کام کرتے اور نوجوانوں سے کراتے۔ اسلامی قوانین و اخلاق کے ضابطے مرتّب کراتے۔ اور نہیں تو قدیم اور جدید تر مستشرقین کی شرانگیزیوں پر توجہ صرف کرتے' صلیبی مشنریوں کی سیاسی یلغار کا جائزہ لیتے۔

معلوم نہیں آپ نے یہ کس قرآن میں پڑھ لیا ہے کہ سارا انقلابِ اسلامی مولانا مودودیؒ اور جماعت اسلامی کے خلاف دماغ اور زبان اور قلم کی قوتیں کھپادینے سے رونما ہو جائے گا۔ بار بار تمہید میں تعریف' متن میں مخالفت اور بین السطور پر نہ جانے کیا کیا پیش کر کے آپ جو نامۂ اعمال بنا رہے ہیں وہ آخرت میں کیا نتیجہ دے گا بلکہ عین اس دنیا میں کیا؟

یہ تو بس کربلا کی سی داستان ہے کہ دوہراتے رہئے' ماتم کرتے رہئے اور شامِ غم مناتے رہئے۔ آپ کا جی اس میں خوش ہے تو خوش رہے۔ آپ کا ایمان اس سے تازہ ہوتا ہے تو بار بار خوب اچھی طرح تازہ کیجئے اور آپ کے اخلاق میں علوّ آتا ہے اور آپ کی جماعت جادۂ انقلاب کو اس مشغلے کی وجہ سے جلد تر طے کرسکتی ہے تو مبارک!

آپ اپنے معاملات' اپنے افکار اور اپنے رویّوں کا خود بہت اچھا فیصلہ کرسکتے ہیں۔ ہماری کیا مجال کہ بے وجہ دخل دیں۔

نیاز کیش

نعیم صدیقی

۱۴/۶/۹۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۳۶۔ کے ' ماڈل ٹاؤن ' لاہور
۱۸؍ جولائی ۱۹۹۰ء

محترمی و مکرمی جناب نعیم صدیقی صاحب
وعلیکم السّلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ !

گرامی نامہ محرّرہ ۱۴ جون ہمارے دفتر میں ۲۰؍ جون کو موصول ہوگیا تھا لیکن میرے مطالعے میں اپنے غیر ملکی سفر سے واپسی پر عید الاضحیٰ کے بعد آیا۔ آپ میرے بزرگوں میں سے ہیں ' اور آپ کا غیظ و غضب ' اور تلخی و ترشی سب میرے لئے ع "کہ ہرچہ ساقیِ ما ریخت عین الطاف است !" کے حکم میں ہے ! بلکہ مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے آپ کو بقول خود "شرمسار" اور میرے نزدیک کبیدہ خاطر ہونا پڑا۔ بہرحال آپ نے اتنے طویل خط کے لکھنے میں جو زحمت گوارا کی اس پر ممنون ہوں !

خط پڑھ کر سب سے پہلا اثر تو مجھ پر یہ ہوا کہ اپنے وہ الفاظ یاد آگئے جو میں نے پورے تینتیس (۳۳) سال قبل رکنیتِ جماعت سے استعفے کی تحریر کے آخر میں درج کئے تھے۔ استعفے کی طویل تحریر کے حسبِ ذیل اقتباس کے خط کشیدہ الفاظ آپ کے خط پر میرے تأثر کی بھرپور نمائندگی کرتے ہیں :

------ اس دس سال کے عرصہ میں میری پوری دنیا جماعت ہی کے چھوٹے سے حلقہ میں محدود رہی ہے۔ تعلّقات اور دوستیاں ' محبتیں اور الفتیں ' حتیٰ کہ رشتے داریاں تک اسی حلقہ میں محدود رہیں۔ بیٹھنا اٹھنا بھی اسی میں رہا اور ہنسا بولنا بھی اسی میں رہا۔ اب دفعتًہ اس حلقہ سے نکلتے ہوئے دل و دماغ سخت صدمہ محسوس کر رہے ہیں۔ کتنے ہی بزرگوں سے مجھے والہانہ عقیدت ہے اور کتنے ہی ساتھیوں سے بے پناہ محبت ہے۔ جب میں سوچتا ہوں آج کے بعد شاید میرے بزرگ میری عقیدت کی قدر نہ کریں اور میرے دوست میری محبت پر اعتماد نہ کریں تو دل اندر سے پکڑا سا جاتا ہے۔ پھر میں یہ بھی جانتا ہوں کہ جماعت کے بہت سے بزرگ مجھ سے بزرگانہ شفقت کا اور کتنے ہی ارکان و متفق

> مجھ سے حقیقی محبت کا تعلق رکھتے ہیں۔ جب سوچتا ہوں کہ آج اپنے اس اقدام سے میں نہ معلوم کتنوں کے جذبات کو مجروح کروں گا تو اپنے ہی آپ میں ایک ندامت کا احساس بھی ہوتا ہے لیکن اس سب کے باوجود اس اقدام پر مجبوراً اس لئے آمادہ ہوگیا ہوں کہ اب اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نظر نہیں آتا!"
>
> ماخوذ از" سرافگندیم" صفحہ ۲۴"

اس کے ساتھ ہی ـــــــــ آٹھ دس سال قبل کے بعض واقعات کی فلم بھی شعور کی سکرین پر چلنے لگی۔ مثلاً ۴۸ء کی ایک شام کا واقعہ کہ جب گوال منڈی میں دفتر کوثر سے ملحق چھت پر جماعت اسلامی لاہور کے ایک اجتماع کے دوران نماز مغرب کا وقت آگیا اور مولانا مودودی مرحوم اور بعض دوسرے اکابرِ جماعت سمیت سب لوگ قریب کی ایک تنگ سی گلی میں واقع مسجد میں نماز کے لئے گئے تو راستے میں میرے بڑے بھائی اظہار احمد صاحب نے آپ سے میرا تعارف کرایا اور یہ الفاظ کہے کہ "اسے آپ سے بڑی محبت ہے" تو آپ بڑی شفقت اور محبّت کے ساتھ گفتگو کرتے رہے۔ یا مثلاً یہ کہ دسمبر ۵۱ء کے آخری دس ایّام، اور ۵۲ء کے موسم گرما کی تعطیلات کے پندرہ ایّام کے دوران اسلامی جمعیت طلبہ کی تربیت گاہوں میں (جن میں میں بحیثیتِ ناظم شریک تھا) آپ نے لٹریچر کا مطالعہ کرایا تو آپ سے بہت دلچسپ گفتگوئیں رہتی تھیں اور میں آپ کی شفقت کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ کو خاصا زچ کیا کرتا تھا ـــــــــ یا مثلاً آپ کی بے شمار تقریریں جو میں نے دس سال کے عرصے میں سنیں اور جن کی بنا پر میری یہ رائے بنی کہ آپ نے اپنی تقریر میں مولانا مودودی اور مولانا اصلاحی دونوں کے طرز خطاب کی خوبیوں کو جمع کرلیا ہے ـــــــــ یا مثلاً آپ کی بہت سی تحریریں جو میں نے پڑھیں بالخصوص وہ 'اشارات' جو آپ نے مولانا مرحوم کی نظربندی کے دوران تحریر فرمائے اور اُن میں سے بھی خاص طور پر وہ جن میں نظمِ جماعت کے تقاضوں، اور بالخصوص تنقید کے آداب و شرائط کی وضاحت فرمائی تھی' وقِس علیٰ ہذا۔

اور اس کے ساتھ ساتھ آپ کے وہ بہت سے اشعار بھی کانوں میں رس گھولنے لگے جو میری لوحِ قلب پر نقش ہیں اور جن میں سے بعض میرے دروس و خطابات میں بارہا بے اختیار زبان پر آتے رہے ہیں: مثلاً ؎

اے آندھیو سنبھل کے چلو اس دیار میں
امید کے چراغ جلائے ہوئے ہیں ہم !"

یا آپ کی شاہکار نظم "اٹھارہ سال" اور خاص طور پر اس کا یہ "دلدوز" شعر کہ ۔

" وہ بدنصیب جو گر جائے اپنی آنکھوں سے
تم اپنی آنکھ پہ کیسے اسے بٹھاؤ گی !"

۔۔۔۔۔۔ اسی طرح آپ کی شہدائے بالاکوٹ کے بارے میں نظم اور خصوصاً اس کا یہ بند

" ہیں بالاکوٹ کی مٹی کے ذرّے ۔ ہماری آرزوؤں کے مزارات
ہیں ہر ذرّے کی پیشانی پہ منقوش ۔ ہمارے عزم کے خونیں نشانات !"

وغیرہ وغیرہ!

آپ کی اُس تصویر کے پس منظر میں جس کا تانابانا متذکرہ بالا تأثرات سے قائم ہوا تھا جب میں نے آپ کے خط کے مندرجات پر غور کیا تو حیرت ہوئی کہ آپ نے اپنی اس تحریر میں میرے بیان کردہ واقعے کی پوری توثیق فرمائی' اور اس کے ضمن میں میری کسی بات کی نفی نہیں کی' تو پھر ریکارڈ کی وہ 'کجی' کونسی تھی جس کو آپ نے "درست" کرنے کی کوشش کی؟ میں آپ کا تہہ دل سے ممنون ہوں کہ آپ نے نہ صرف یہ کہ ' درست ' ریکارڈ کو ' درست ' ہی رکھا اور اس میں کوئی کجی پیدا نہ کی' بلکہ میرے اجمالی خاکے میں تفصیل کا مزید رنگ بھر کر میری بات کو مزید واضح اور میری ' حجت ' کو مزید محکم کر دیا! فجزاکم اللہ احسن الجزاء! میری حیرت اس بنا پر دہ چند ہو جاتی ہے کہ اگرچہ میرے علم میں ہے کہ آپ کی صحت بالعموم اچھی نہیں رہتی' تاہم آپ ابھی بحمد اللہ اُس "ارذل العمر" کو نہیں پہنچے جس میں قوائے ذہنی مضمحل ہو جاتے ہیں' چنانچہ آپ کا حافظہ بھی ماشاء اللہ ابھی اس قدر قوی ہے کہ سترہ سال قبل کا مکالمہ آپ کو تفصیلاً یاد ہے ۔۔۔۔۔۔ اندریں حالات آپ کی جانب سے اتنی غیر منطقی تحریر' یعنی چہ؟

۲۲ر جولائی

مصروفیات کے ہجوم' اور فرصت کی کمی کے باعث آج چار روز بعد دوبارہ قلم ہاتھ میں لے سکا ہوں۔ اور اس دعا کے ساتھ بات دوبارہ شروع کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو میری

معروضات پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔
خدارا ذرا غور فرمایئے کہ :

۱۔ آپ تسلیم فرماتے ہیں کہ قرآن کانفرنس میں شرکت کا دعوت نامہ لے کر میں خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ (یہ ۷۳ء کی بات ہے جب ہم پہلی بار یہ کانفرنس منعقد کر رہے تھے)

۲۔ آپ نے اس کی بھی نفی نہیں فرمائی کہ اس کے بعد بھی یہ دعوت نامہ مسلسل آپ کی خدمت میں ارسال کیا جاتا رہا' تا آنکہ آپ نے اس پر تحریری طور پر اظہارِ ناراضگی فرمایا۔

۳۔ آپ نے اس کی بھی نفی نہیں فرمائی کہ آپ کے ابتدائی انکار اور اس کے ضمن میں یہ دلیل پیش کرنے پر کہ تم مسلسل جماعت پر تنقید کر رہے ہو' میں نے عرض کیا تھا کہ کیا ولی خان' اصغر خان' مولانا نورانی وغیرہم جماعت پر شدید اور دل آزار تنقیدیں نہیں کرتے؟ تو اگر آپ سیاسی پلیٹ فارم پر اُن کے ساتھ جمع ہو سکتے ہیں تو قرآنی پلیٹ فارم پر میرے ساتھ کیوں نہیں بیٹھ سکتے؟ ـــــــ جس پر آپ نے زچ ہو کر فرمایا: "کہ میں جانتا تھا کہ آپ یہی دلیل پیش کریں گے!" تاہم جوابی دلیل کوئی پیش نہ کی!

اس سلسلے میں پندرہ سال بعد کی صورت حال بھی یہ ہے کہ خان عبد الولی خان صاحب نے جہاد افغانستان کو فساد فی الارض اور جماعت اسلامی کو امریکہ کا ایجنٹ قرار دیا ـــــ اس کے بعد بھی جماعت آئی جے آئی کے ناتے سی او پی (COP) میں اُن کی حلیف ہے ـــــــ
آج سے پینتیس چھتیس سال قبل کی یہ بات بھی آپ کو یقیناً یاد ہو گی کہ مولانا امین احسن اصلاحی برملا فرمایا کرتے تھے (جبکہ ابھی وہ خود جماعت میں شامل تھے) کہ "اہلِ مذہب ہمیں (یعنی جماعت کو) بہروپیے سمجھتے ہیں' اور اہلِ سیاست کے نزدیک ہم چغد ہیں!!" اس کے باوجود مسلسل تعاون اہل مذہب سے بھی رہا اور اہل سیاست سے بھی! تو پھر اس پوری زمین پر اور اس آسمان کے نیچے کیا کُل کا کُل بیر اور بغض میرے ہی لئے رہ گیا ہے؟

۴۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزا دے کہ آپ نے یاد دلا دیا کہ میں نے تو آپ کی شرکت کے لئے اجازت حاصل کرنے کے لئے امیر جماعت کے پاس حاضر ہونے کا ارادہ بھی ظاہر کیا۔ گویا میں نے تو اپنی حد تک ع "میں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا!" پر عمل کر کے آپ پر حجت

قائم کر دی لیکن آپ نے خود ہی اپنے خلاف مزید حجّت قبول کرلی۔ ورنہ اگر آپ مجھے نہ روکتے اور انکار امیرِ جماعت کی طرف سے ہوتا تو کم از کم آپ پر الزام نہ آتا۔ جیسا کہ بعد میں سید اسعد گیلانی صاحب کے معاملے میں ہوا کہ انہوں نے ہماری ایک تربیت گاہ میں شرکت پر آمادگی ظاہر فرمادی تھی' یہ دوسری بات ہے کہ میاں طفیل محمد صاحب نے منع فرمادیا ------!

۵۔ اللہ آپ کو مزید جزا عطا فرمائے کہ آپ نے میرے حق میں 'اور اپنے خلاف حجّت بالائے حجّت پیش فرمادی کہ میں نے تو آپ سے ع "سپر انداختیم اگر جنگ است!" پر عمل پیرا ہونے کے لئے آپ سے یہ بھی دریافت کیا کہ بتائیے میری جانب سے کس تحریر پر آپ مطمئن ہو سکتے ہیں؟ لیکن آپ نے اس سے بھی انکار کیا ------ مجھے اس سے ہرگز انکار نہیں ہے کہ عین ممکن ہے کہ میں آپ کی تجویز کردہ تحریر قبول نہ کر سکتا اس لئے کہ میں صرف مخالفت برائے مخالفت یا خواہ مخواہ کی محاذ آرائی کے تأثر کو ختم کرنے والی عبارت کو تو قبول کر سکتا تھا' اپنے حقِّ اختلاف سے دست برداری اختیار نہیں کر سکتا تھا! تاہم اول تو ضروری نہیں تھا کہ یہی صورت پیش آتی' اس لئے کہ آپ بھی میرے حق اختلاف کی تو نفی نہیں کر سکتے تھے' ------ بصورت دیگر بھی حجّت مجھ پر قائم ہوتی نہ کہ 'حجّت بالائے حجّت' کے طور پر آپ پر!!

حاصل کلام یہ کہ میں اس پر تو اللہ کا شکر اور آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے سیدھے ریکارڈ کو نہ صرف یہ کہ کج نہیں کیا بلکہ مزید سیدھا کر دیا ------ لیکن "محوِ حیرت ہوں" کہ آپ نے یہ خط کس مقصد سے لکھا؟ ------ اور اس سے کیا حاصل کیا؟؟

رہی آپ کے موقف کی اصل اساس' اور آپ کے خط کا وہ 'محور' جس کے گرد پوری تحریر گھوم رہی ہے ------ یعنی آپ کے نزدیک میرا جماعت کے خلاف مخالفت کا "کھیل" اور "تصادم" کا رویّہ تو اس کے ضمن میں بھی اختصار کے ساتھ چند باتیں پیشِ خدمت ہیں' ذرا تحمّل سے غور فرمائیں:

اوّلاً ------ ذرا اپنے طرزِ خطاب پر نظرثانی فرمائیں ------ گویا۔

"آپ ہی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی!"

ثانیاً ـــــــ مجھے تسلیم ہے کہ ع " مردی و نامردی قدمے فاصلہ دارد!" کے مصداق اختلاف اور مخالفت کے مابین فصل و بُعد بہت کم ہے لیکن میں چیلنج کرتا ہوں کہ سوائے اس کے کہ ایک خاص دَور میں اظہار اختلاف کے پیرایۂ بیان ' اور اس کے ضمن میں الفاظ کے انتخاب میں میری جانب سے شدّت ہوئی ہے (جس کا بارہا علیٰ رؤس الاشہاد اعتراف اور اعلان کر چکا ہوں) مجھے بتایا جائے کہ :ـــــــ (i) کیا میں نے کبھی مولانا مودودی مرحوم یا اُن کے اہل خانہ ' یا جماعت کے کسی بھی دوسرے رہنما یا کارکن کے ذاتی کردار یا خانگی زندگی پر کوئی حملہ کیا؟ ـــــــ (ii) کیا میں نے جماعت اسلامی کے خلاف کسی بر سر اقتدار شخصیت یا جماعت اور اس کی سیاسی میدان میں کسی حریف جماعت کے ساتھ گٹھ جوڑ کیا؟ میاں محمد یاسین وٹو موجود ہیں ' ان سے پوچھ لیا جائے کہ کیا سابق صدر ایوب مرحوم اور نواب کالا باغ مرحوم کی ایک مجلس میں جماعت اسلامی کی مخالفت کے لئے آلۂ کار کے طور پر استعمال کرنے کے ضمن میں جب بعض دوسری شخصیات کے ساتھ مولانا امین احسن اصلاحی اور میرا نام لیا گیا تو اس مجلس میں یہ بات نہیں کہی گئی کہ ان دونوں کو دوسروں پر قیاس نہ کیا جائے! شاید لاہور ٹیلی وژن کے عملے میں کوئی صاحب گواہی دے سکیں کہ بھٹو صاحب کے زمانے میں جب جماعت کی کردار کشی کے لئے بعض علماءکرام کی خدمات حاصل کی گئیں اور اس ضمن میں جماعت کے " سابقون الاوّلون " میں سے بھی ایک صاحب سکرین پر آئے ' اس وقت جب مجھ سے رابطہ قائم کیا گیا اور میری جانب سے انکار پر اصرار میں یہاں تک کہا گیا کہ آپ اپنے دین و ایمان کی رُو سے جو بات صحیح سمجھتے ہیں وہی کہیں ' ہم کوئی قطع و برید نہیں کریں گے بلکہ ' Live Telecast ' کردیں گے تو میں نے جواباً کہا کہ میں حبِّ علیؓ کا قائل ہوں ' بغضِ معاویہؓ کا نہیں !! میں اپنا اختلاف اپنے طور پر بیان کر رہا ہوں۔ اس کو کسی دوسرے کی تقویت کا ذریعہ نہیں بنا سکتا! ـــــــ خدارا سوچئے کہ کیا مخالفت کا " کھیل " کھیلنے والوں کا طرز عمل یہی ہوتا ہے !!

ثالثاً ـــــــ جس طرح نادانستہ طور پر آپ ریکارڈ کو سیدھا کرنے کی کوشش میں اپنے آپ پر الزام در الزام لیتے چلے گئے ' اسی طرح ' معاف فرمائیے ' ـــــــ آپ نے مجھے مشورے دیتے ہوئے بعض بہت ہلکی اور جماعت کے اصل موقف کے صریحاً خلاف باتیں

ارشاد فرمادی ہیں جن پر اگر آپ خود بھی دوبارہ غور کریں تو یقیناً ندامت محسوس کریں گے۔

خدارا غور فرمائیے کہ :۔۔۔(i) کیا ' اقامتِ دین کی جدّوجہد ' آپ کا Exclusive پلیٹ فارم ہے ؟ جس پر کسی اور کی موجودگی آپ کو گوارا نہیں۔ اور کیا آپ بھی اس پلیٹ فارم کو اسی انداز میں صرف اپنے گروہی مفادات کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں جیسے کہ بعض دوسرے لوگ اپنے اپنے مخصوص پلیٹ فارموں کو کر رہے ہیں ؟ میرے نزدیک تو نہ صرف یہ کہ یہ جماعت کے موقف کے بالکل خلاف ہے بلکہ اُس خلوص اور اخلاص کے بھی منافی ہے جو ؏ "محبت چوں جواں گردد ' رقابت از میاں خیزد!" کا تقاضا کرتا ہے ' (ii) مزید بر آں یہ طرز عمل اس حدیث نبوی کے بھی صریحاً خلاف ہے جس میں نہایت تاکیدی انداز میں فرمایا گیا کہ : "لایومن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ " ۔ (iii) ذرا اپنے دل میں جھانک کر دیکھئے کہ کیا آپ واقعتاً دین کی صرف علمی خدمت ' یا خدمتِ خلق کے کاموں کو اقامتِ دین کی اجتماعی جدّوجہد کے برابر سمجھتے ہیں ؟ ("اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ... ")

اسی طرح کیا آپ ۔۔۔۔۔ اور تحریک اسلامی کے جملہ کارکنان ۔۔۔۔۔ جماعتِ اسلامی سے علیحدگی اختیار کرنے والے جملہ اکابر (مثلاً مولانا اصلاحی ' مولانا عبد الغفار حسن ' مولانا عبد الرحیم اشرف ' وغیرہم) پر یہ الزام عائد نہیں کرتے کہ انہوں نے جماعت سے علیحدہ ہو کر محض جزوی ' علمی یا تعلیمی و تدریسی مساعی پر کیوں اکتفا کر لیا ؟ ۔۔۔ اور کیوں نہ اقامتِ دین کی جدّوجہد کے لئے اپنے پسندیدہ طریق کار کے مطابق اجتماعی جدوجہد کی "کٹھن" راہ اختیار کی ؟ ۔۔۔۔۔ پھر یہ کیسا طرز عمل ہے کہ ایک کام انہوں نے نہیں کیا تو وہ بھی مجرم ' اور میں کرنے کی کوشش کروں تو میں بھی مجرم ؟ اور یہ کیسا استدلال ہے کہ چت بھی اپنی اور پٹ بھی اپنی !

محسوس ایسا ہوتا ہے کہ آپ حضرات انتخابی سیاست کی بھول بھلیوں میں ؏ "کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے!" کے مصداق اتنے گم ہو چکے ہیں کہ اپنی اصل اور اساسی دعوت کو بالکل بھول گئے۔ اگر برا نہ مانیں تو ذرا مولانا مودودی مرحوم کے مشہور اور مقبول پمفلٹ "شہادتِ حق" کا دوبارہ مطالعہ فرمالیں۔ خصوصاً اس کے (اسلامک پبلی کیشنز کے شائع کردہ چوالیسویں ایڈیشن کے) صفحات ۲۵ تا ۲۹ کا۔ شاید کہ آپ "وز درون من نہ جُست اسرارِ من"

کے جس طرزِ عمل کے میرے بارے میں مرتکب ہو رہے ہیں اس پر آپ کو تنبّہ حاصل ہو جائے۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز !!

فقط والسلام مع الاکرام

دعا کا طالب

خاکسار اسرار احمد عفی عنہ

پس نوشت:

۱۔ الحمد للہ کہ میں نے کبھی بھی "دعوت رجوع الی القرآن" کو اپنا مخصوص (Exclusive) پلیٹ فارم نہیں سمجھا۔ اور اس پر اپنے 'مخالفین' تک کو شریک کر کے خود اپنے آپ پر محض تنقید ہی نہیں 'طنز و استہزا کا بھی موقع دیا۔

۲۔ میں نے مولانا مودودی مرحوم کی شہادت حق والی دعوت کو شعوری طور پر قبول کر کے اپنی زندگی کا رخ تبدیل کیا تھا اور اس کے لئے میڈیکل پریکٹس کو تو اگرچہ میں نے ۱۹۷۱ء میں ترک کیا، لیکن اصل 'پروفیشن' کو میں نے ۱۹۵۱ء ہی میں خیرباد کہہ دیا تھا۔ ورنہ مجھے اگر صرف خدمت خلق کے ذریعے دین کا کام کرنا ہوتا۔۔۔ یا جماعت کی صرف پیسے سے مدد کرنی ہوتی تو میرا پروفیشن اس کا بہترین ذریعہ بن سکتا تھا۔ اسی طرح اگر میں کوئی علمی کام کرتا تو سائیکالوجی کے میدان میں کرتا جس سے مجھے طبعی مناسبت تھی لیکن میں نے دعوتِ دین' شہادت علی الناس اور اقامتِ دین کے لئے اجتماعی جدوجہد کی دعوت کو شعوری طور پر قبول کیا تھا ۔۔۔۔۔ اور آج کے دن تک 'بحمد اللہ' اس پر کاربند و گامزن ہوں۔

۳۔ آپ نے اثنائے ملاقات میں میرے سامنے میرے بعض ہم عصر اور ہم عمر ساتھیوں کا بھی تذکرہ کیا تھا۔۔۔۔۔ تو اس ضمن میں نوٹ کر لیجئے کہ آرٹس اور Humanities کے طلبہ کے لئے تو تحریکی اور سیاسی سرگرمی ان کے پیشے کے لئے مفید اور مؤیّد ہوتی ہے لیکن سائنس اور ٹیکنالوجی کے طلبہ کے لئے ایسی سرگرمی اپنے پروفیشن کو چھوڑے بغیر ممکن نہیں ہوتی!

متعلقہ اقتباس از

شہادتِ حق

تالیف: مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم

ہمارا طریقۂ کار

"----- سب سے پہلے ہم مسلمانوں کو ان کا فرض یاد دلاتے ہیں اور انہیں صاف صاف بتاتے ہیں کہ اسلام کیا ہے' اُس کے تقاضے کیا ہیں' مسلمان ہونے کے معنی کیا ہیں اور مسلمان ہونے کے ساتھ کیا ذمّہ داریاں آدمی پر عائد ہوتی ہیں۔

اس چیز کو جو لوگ سمجھ لیتے ہیں ان کو پھر ہم یہ بتاتے ہیں کہ اسلام کے سب تقاضے انفرادی طور پر پورے نہیں کئے جاسکتے۔ اس کے لئے اجتماعی سعی ضروری ہے۔ دین کا ایک بہت ہی قلیل حصہ انفرادی زندگی سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کو تم نے قائم کر بھی لیا تو نہ پورا دین ہی قائم ہوگا اور نہ اس کی شہادت ہی ادا ہو سکے گی بلکہ جب اجتماعی زندگی پر نظامِ کفر مسلّط ہو تو خود انفرادی زندگی کے بھی بیشتر حصّوں میں دین قائم نہ کیا جاسکے گا اور اجتماعی نظام کی گرفت روز بروز اس انفرادی اسلام کی حدود کو گھٹاتی چلی جائے گی۔ اس لئے پورے دین کو قائم کرنے اور اس کی صحیح شہادت ادا کرنے کے لئے قطعاً ناگزیر ہے کہ تمام ایسے لوگ جو مسلمان ہونے کی ذمہ داریوں کا شعور اور انہیں ادا کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں' متحد ہو جائیں اور منظم طریقے سے دین کو عملاً قائم کرنے اور دنیا کو اس کی طرف دعوت دینے کی کوشش کریں اور ان مزاحمتوں کو راستہ سے ہٹائیں جو اقامت و دعوتِ دین کی راہ میں حائل ہوں۔

نظمِ جماعت

یہی وجہ ہے کہ دین میں جماعت کو لازم قرار دیا گیا ہے اور اقامتِ دین اور دعوتِ دین

کی جدّوجہد کے لئے ترتیب یہ رکھی گئی ہے کہ پہلے ایک نظمِ جماعت ہو پھر خدا کی راہ میں سعی وجہد کی جائے اور یہی وجہ ہے کہ جماعت کے بغیر زندگی کو جاہلیت کی زندگی اور جماعت سے علیٰحدہ ہو کر رہنے کو اسلام سے علیٰحدگی کا ہم معنی قرار دیا گیا ہے[1]۔

ا۔ اشارہ ہے اس حدیث کی طرف جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

اَنَا اٰمُرُکُمْ بِخَمْسٍ اَللّٰہُ اَمَرَنِیْ بِھِنَّ اَلْجَمَاعَۃُ ' وَالسَّمْعُ وَالطَّاعَۃُ ' وَالْھِجْرَۃُ ' وَالْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ' فَاِنَّہٗ مَنْ خَرَجَ مِنَ الْجَمَاعَۃِ قِیْدَ شِبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَۃَ الْاِسْلَامِ مِنْ عُنُقِہٖ اِلَّآ اَنْ یُّرَاجِعَ۔ وَمَنْ دَعَا بِدَعْوَی جَاھِلِیَّۃٍ فَھُوَ مِنْ جُثٰی جَھَنَّمَ۔ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَاِنْ صَامَ وَصَلّٰی ؟ قَالَ وَاِنْ صَلّٰی وَصَامَ وَزَعَمَ اَنَّہٗ مُسْلِمٌ۔ (احمد و حاکم)

"میں تم کو پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں جن کا حکم اللہ نے مجھے دیا ہے۔ جماعت، سمع، طاعت، ہجرت[4] اور خدا کی راہ میں جہاد[5]۔ جو شخص جماعت سے بالشت بھر بھی الگ ہوا اس نے اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے اتار پھینکا، اِلّا یہ کہ وہ پھر جماعت کی طرف پلٹ آئے۔ اور جس نے جاہلیت (یعنی افتراق و انتشار) کی دعوت دی وہ جہنمی ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اگرچہ وہ روزہ رکھے اور نماز پڑھے؟ فرمایا ہاں اگرچہ وہ نماز پڑھے اور روزہ رکھے اور مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے"۔

اس حدیث سے تین باتیں ثابت ہوتی ہیں:

(۱) کارِ دین کی صحیح ترتیب یہ ہے کہ پہلے جماعت ہو اور اس کی ایسی تنظیم ہو کہ سب لوگ کسی ایک کی بات سنیں اور اس کی اطاعت کریں، پھر جیسا بھی موقع ہو اس کے لحاظ سے ہجرت اور جہاد کیا جائے۔

(۲) جماعت سے علیٰحدہ ہو کر رہنا گویا اسلام سے علیٰحدہ ہونا ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ انسان اس زندگی کی طرف واپس جا رہا ہے جو اسلام سے قبل زمانۂ جاہلیت میں عربوں کی تھی کہ ان میں کوئی کسی کی سننے والا نہ تھا۔'

(۳) اسلام کے بیشتر تقاضے اور اس کے اصل مقاصد جماعت اور اجتماعی سعی ہی سے پورے ہو سکتے ہیں۔ اسی لئے حضورؐ نے جماعت سے الگ ہونے والے کو اس کی نماز اور روزے اور مسلمانی کے دعوے کے باوجود اسلام سے نکلنے والا قرار دیا۔ اسی مضمون کی شرح ہے جو حضرت عمرؓ نے اپنے اس ارشاد میں فرمائی ہے کہ لا اسلام الا بجماعۃ (جامع بیان العلم لابن عبد البرّ)۔

کام کے تین راستے

جو لوگ اس بات کو بھی سمجھ لیتے ہیں اور اس فہم سے ان کے اندر مسلمان ہونے کی ذمہ داری کا احساس اس حد تک قوی ہو جاتا ہے کہ اپنے دین کی خاطر اپنی انفرادیت اور خود پرستی کو قربان کر کے جماعتی نظم کی پابندی قبول کر لیں ' ان سے ہم کہتے ہیں کہ اب تمہارے سامنے تین راستے ہیں اور تمہیں پوری آزادی ہے کہ ان میں سے جس کو چاہو اختیار کرو - اگر تمہارا دل گواہی دے کہ ہماری دعوت 'عقیدہ 'نصب العین 'نظام جماعت اور طریق کار سب کچھ خالص اسلامی ہے اور ہم وہی کام کرنے اٹھے ہیں جو قرآن و حدیث کی رو سے امّتِ مسلمہ کا اصل کام ہے تو ہمارے ساتھ آ جاؤ - اگر کسی وجہ سے تمہیں ہم پر اطمینان نہ ہو اور کوئی دوسری جماعت تم کو ایسی نظر آتی ہو جو خالص اسلامی نصب العین کے لئے اسلامی طریق پر کام کر رہی ہو تو اس میں شامل ہو جاؤ - ہم خود بھی ایسی جماعت پاتے تو اسی میں شامل ہو جاتے کیونکہ ہمیں ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ چننے کا شوق نہیں ہے - اور اگر تم کو نہ ہم پر اطمینان ہے نہ کسی دوسری جماعت پر تو پھر تمہیں اپنے فرض اسلامی کو ادا کرنے کے لئے خود اٹھنا چاہئے اور اسلامی طریق پر ایک ایسی جماعت بنانی چاہئے جس کا مقصد پورے دین کو قائم کرنا اور قول و عمل سے اس کی شہادت دینا ہو - ان تینوں صورتوں میں سے جو صورت بھی تم اختیار کرو گے انشاء اللہ حق پر ہو گے - ہم نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا اور نہ بسلامتئ ہوش و حواس ہم یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ صرف ہماری ہی جماعت حق پر ہے اور جو ہماری جماعت میں نہیں ہے وہ باطل پر ہے - ہم نے کبھی لوگوں کو اپنی جماعت کی طرف دعوت نہیں دی ہے - ہماری دعوت تو صرف اُس فرض کی طرف ہے جو مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم پر اور آپ پر یکساں عائد ہوتا ہے - اگر آپ اس کو ادا کر رہے ہیں برحق ہیں خواہ ہمارے ساتھ مل کر کام کریں یا نہ کریں - البتہ یہ بات کسی طرح درست نہیں ہے کہ آپ نہ خود اٹھیں ' نہ کسی اٹھنے والے کا ساتھ دیں اور طرح طرح کے حیلے اور بہانے کر کے اقامتِ دین اور شہادت علی الناس کے فریضے سے جی چرائیں یا اُن کاموں میں اپنی قوتیں خرچ کریں جن سے دین کے بجائے کوئی دوسرا نظام قائم ہوتا ہو اور اسلام کے بجائے کسی اور چیز کی گواہی آپ کے قول و عمل سے ملے - معاملہ دنیا اور اس کے

لوگوں سے ہوتا تو حیلوں اور بہانوں سے کام چل سکتا تھا' مگر یہاں تو اس خدا کے ساتھ معاملہ ہے جو علیمٌ بذات الصدور ہے - اُسے کسی چال بازی سے دھوکا نہیں دیا جا سکتا -

مختلف دینی جماعتیں

اس میں شک نہیں کہ ایک ہی مقصد اور ایک ہی کام کے لئے مختلف جماعتیں بنا بظاہر غلط معلوم ہوتا ہے اور اس میں انتشار کا بھی اندیشہ ہے مگر جب نظامِ اسلامی درہم برہم ہو چکا ہو اور سوال اس نظام کے چلانے کا نہیں بلکہ اس کے از سرِ نو قائم کرنے کا ہو تو ممکن نہیں ہے کہ ابتدا ہی میں وہ الجماعتہ وجود میں آجائے جو تمام امت کو شامل ہو' جس کا التزام ہر مسلمان پر واجب ہو اور جس سے علیحدہ رہنا جاہلیت اور علیحدہ ہونا ارتداد کا ہم معنی ہو - آغاز کار میں اس کے سوا چارہ نہیں کہ جگہ جگہ مختلف جماعتیں اس مقصد کے لئے بنیں اور اپنے اپنے طور پر کام کریں - یہ سب جماعتیں بالآخر ایک ہو جائیں گی اگر نفسانیت اور افراط و تفریط سے پاک ہوں اور خلوص کے ساتھ اصل اسلامی مقصد کے لئے اسلامی طریق پر کام کریں - حق کی راہ میں چلنے والے زیادہ دیر تک الگ نہیں رہ سکتے - حق ان کو جمع کر کے ہی رہتا ہے کیونکہ حق کی فطرت ہی جمع و تالیف اور وحدت و یگانگت کی متقاضی ہے - تفرقہ صرف اُس صورت میں رونما ہوتا ہے جب حق کے ساتھ کچھ نہ کچھ باطل کی آمیزش ہو یا اوپر حق کی نمائش ہو اور اندر باطل کام کر رہا ہو"-

---

بقیہ : تذکرہ و تبصرہ

آگے مقدمات کی سماعت ہماری عدلیہ کے تحت ہو تو یہ بھی گویا ایک مثبت پیش قدمی ہے - اس کے لئے حکومت نے خود آرڈی ننس کا مسودہ بنایا ہے اور صدر صاحب کے پاس منظوری کے لئے بھیج دیا ہے - دعا کیجئے کہ اس سے حالات کی بہتری کی کوئی صورت بن جائے - صورت حال تو واقعتًہ اتنی گمبھیر ہے کہ نظر نہیں آرہا ہے کہ اس قدم سے اصل علاج ہو جائے گا - باقی اللہ کو ہر شے پر قدرت حاصل ہے - ہم اپنے تمام معاملات اسی کے سپرد کرتے ہیں اور اسی سے اصلاحِ احوال کی دعا کرتے ہیں -

اقول قولی هذا و استغفر الله لی ولکم و لسائر المسلمین و المسلمات ○○

پیلو کی بازیافت
HAMD
PEELU TO
فلورائیڈ کے ساتھ
ہمدرد
مِسواک سے
ہمدرد پیلو ٹوتھ پیسٹ تک
پیلو کے مؤثر اور مجرب اجزا پر مشتمل ایک مکمل طبی ٹوتھ پیسٹ پیش کر کے ہمدرد نے
حفظ دنداں کی دنیا میں بھی اوّلیت حاصل کرلی ہے۔
پیلو صدیوں سے دانتوں کی صفائی اور مسوڑھوں کی مضبوطی کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔
ہمدرد کی تحقیق جدید نے پیلو کے ان افادی اجزاء اور دوسری مجرب جڑی بوٹیوں سے ایک جامع
فارمولے کے مطابق ہمدرد پیلو ٹوتھ پیسٹ تیار کیا جو پوری طرح دانتوں اور مسوڑھوں
کی حفاظت کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔
Hamdard
ہمدرد
پیلو ٹوتھ پیسٹ
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں
پیلو کے اوصاف مسوڑھے مضبوط، دانت صاف
ہمدرد
پاکستان سے محبت کرو۔ پاکستان کی تعمیر کرو
Adverts-HTP-3/85

تنظیمِ اسلامی لاہور کے تحت
ایک روزہ تربیتی و دعوتی پروگرام کا انعقاد

—— مرتب : مرزا ایوب بیگ (امیر تنظیم اسلامی لاہور) ——

یہ بات اکثر رفقاء کرام کے علم میں ہوگی کہ ۲۸ر اپریل ۹۰ء کو امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے تنظیم اسلامی لاہور کے ماہانہ اجتماع میں باہم مشورے کے بعد لاہور کی چاروں تنظیموں کو ایک تنظیم میں ضم کرنے کا اعلان فرمایا تھا۔ راقم کو تنظیم اسلامی لاہور کی امارت تفویض کی گئی۔ تنظیمی نظم کو مستحکم کرنے کی غرض سے راقم نے لاہور شہر کو 8 زونوں (Zones) میں تقسیم کر کے ہر زون کا ایک نقیبِ اعلیٰ مقرر کر دیا۔ ساتھ ہی لاہور میں تنظیمی سطح پر ایک نئے پروگرام کا اعلان کیا جسے ایک روزہ تربیتی و دعوتی پروگرام کا نام دیا گیا جس کے لئے ہر ماہ کا آخری جمعۃ المبارک طے پایا ہے۔

اس سلسلے کے پہلے ایک روزہ تربیتی اور دعوتی پروگرام کا انعقاد ۲۲ر جون ۹۰ء کو ہوا جس کے لئے لاہور کے 8 زونوں کو 4 حلقوں میں تقسیم کیا گیا۔ چنانچہ لاہور میں چار مختلف جگہوں پر یہ پروگرام منعقد ہوا۔ پورے دن پر محیط اس پروگرام کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ نمازِ جمعہ سے قبل کا وقت تربیتی پروگرام کے لئے اور بعد نماز جمعہ کا پورا وقت دعوتی پروگرام کے لئے مخصوص تھا۔

تربیتی پروگرام کا آغاز صبح 8 بجے ہوا اور یہ پروگرام ہر جگہ نماز جمعہ سے تقریباً نصف گھنٹہ قبل اختتام کو پہنچا۔ اس پروگرام کا جو معین شیڈیول تنظیم اسلامی لاہور کی طرف سے ہر حلقے کو دیا گیا تھا اور جس کے مطابق ہر حلقے کو اس پروگرام کا انعقاد کرنا تھا' ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

پروگرام

(1) کوئی ساتھی جو خوش الحانی سے تلاوتِ کلام پاک کر سکتا ہو تلاوت کرے گا اور ساتھ ہی اُس کا ترجمہ بھی بیان کرے گا۔

(2) نماز اور روزہ کے فقہی مسائل خصوصاً نماز کی ادائیگی کے سلسلے میں جزئیات کو تفصیلاً بیان کیا جائے گا۔

(3) ہر حلقہ میں ایک رفیق کو یہ ذمہ داری سونپی جائے گی کہ وہ اسلام کے نظامِ بیعت اور مشاورت کے موضوع پر تقریر کرے اور بعد میں اُس پر باہم مذاکرہ کیا جائے۔

(4) رفقائے کے نام راقم کا ایک خط پڑھ کر سنایا جائے۔

دعوتی پروگرام کے بارے میں تنظیم اسلامی لاہور نے ہر حلقہ کو آزاد چھوڑ دیا کہ وہ اپنے اردگرد کے حالات کے مطابق جس طرح مناسب سمجھیں پروگرام تشکیل دے لیں لیکن مغرب اور عشائے کے مابین ایک کارنر میٹنگ کا انعقاد لازم قرار دیا گیا تھا۔

اللہ کے فضل و کرم سے چاروں حلقوں میں یہ پروگرام بڑے نظم و ضبط کے ساتھ نہایت احسن طریقے سے منعقد ہوئے جس کی مختصر روئیداد کچھ یوں ہے:

حلقہ نمبر ا نے جو زون نمبر ۲، ۳ اور ۴ پر مشتمل تھا، اپنا پروگرام لاہور چھاؤنی کی مسجد بلال (نزد شیر پاؤ پل) میں منعقد کیا۔ اس حلقے کی نظامت محترم عبد الرزاق صاحب کے سپرد تھی۔ تقریباً ۵۰ رفقائے نے بھرپور شرکت کی۔ بالخصوص تربیتی پروگرام میں رفقائے نے بڑی دلچسپی کا مظاہرہ کیا اور اُسے تنظیمی اعتبار سے بہت مفید پایا۔ بعد نمازِ مغرب دعوتی اجتماع میں حافظ اشرف صاحب نے 'استحکام پاکستان' کے موضوع پر خطاب کیا۔

زون نمبر ۸، ۱ پر مشتمل حلقہ نمبر ۲ نے مسجد نُور نزد چوک مصطفٰے آباد میں اپنا تربیتی پروگرام منعقد کیا۔ ناظم پروگرام چوہدری محمد اسحٰق صاحب تھے۔ یہاں آغاز میں رفقاء کی حاضری کم تھی۔ البتہ جلد ہی ۲۵ رفقاء جمع ہو گئے۔ رفیق تنظیم اقبال حسین صاحب نے اسلام کے نظام بیعت اور مشاورت پر تقریر کی جس پر مفید سوال و جواب ہوئے۔ بقیہ تربیتی نصاب بھی بخوبی مکمل کیا گیا۔ شام کو کارنر میٹنگ سے چوہدری رحمت اللہ بٹر صاحب نے خطاب کیا۔ جس میں ۱۵۰ سے زائد افراد شریک ہوئے۔

حلقہ نمبر ۳ نے جو زون نمبر ۷، ۵ پر مشتمل تھا، اپنے تربیتی پروگرام کے لئے مسجد الریاض کالونی لارنس روڈ کا انتخاب کیا۔ ۳۴ رفقائے نے بھرپور شرکت کی۔ یہاں چوہدری رحمت اللہ بٹر صاحب نے نماز کے فقہی مسائل سے رفقاء کو روشناس کرایا۔ نظامِ بیعت اور مشاورت پر گفتگو کرنے کا قرعہ بھی انہی کے نام نکلا۔ اس پروگرام کو رفقائے نے بہت ہی مفید

قرار دیا۔ شام کو دعوتی اجتماع میں نوید احمد صاحب نے دین کا جامع تصور کے موضوع پر مفصل اور مؤثر گفتگو کی۔ تربیتی اجتماع کے ناظم بھی نوید احمد صاحب ہی تھے۔

حلقہ نمبر ۴ صرف ایک زون یعنی زون نمبر ۶ پر مشتمل تھا۔ یہاں تربیتی اجتماع کے ناظم غازی محمد وقاص تھے۔ کل ۲۹ رفقائے پروگرام میں شرکت کی۔ رفیقِ تنظیم محمد راشد صاحب نے اسلام کے نظامِ بیعت اور مشاورت پر مفصّل گفتگو کی۔ عصر اور مغرب کے مابین کا وقت لوگوں سے رابطہ کے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔ مغرب کے بعد منعقد ہونے والی کارنر میٹنگ کے پروگرام سے لوگوں کو آگاہ کرنے کے لئے رفقائے نے بورڈز اٹھا کر پورے علاقے کا گشت کیا اور اس طرح لوگوں کو کارنر میٹنگ میں شرکت کی دعوت دی۔ کارنر میٹنگ بند روڈ کے نزدیک چوک چوہان پارک میں منعقد کی گئی جس میں راقم نے "ہمارے مسائل اور اُن کا حل" کے عنوان سے گفتگو کی۔ تقریباً ۱۰۰ افراد اس پروگرام میں شریک ہوئے۔ مجموعی طور پر لاہور کے ۱۳۷ رفقائے اس ایک روزہ پروگرام میں شرکت کی۔ بعد میں اس پروگرام کے بارے میں راقم نے رفقاء کے تأثرات معلوم کئے تو اطمینان ہوا کہ قریبًا سب رفقا نے اسے انتہائی مفید قرار دیا۔ بعض اصحاب کی طرف سے مزید بہتری کے لئے تجاویز بھی موصول ہوئیں۔ اگلے ماہ کے پروگرام کے لئے ۲۷ جولائی کا تعیّن ہوا ہے۔ انشاء اللہ العزیز مزید کوشش سے اسے خوب تر بنانے کی کوشش کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ہماری کوششوں کو شرفِ قبول عطا فرمائے (آمین)۔

بقیہ : الہدیٰ

سلسلۂ مضمون کو ذہن میں جوڑ لیجئے! "وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰہِ" کی شرح مزید ہوئی۔ "وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ" کے الفاظ سے۔ اور وہ حبل اللہ کون سی ہے، اس کا جواب ملا حدیثِ نبویؐ کے ذریعے کہ "ھُوَحَبْلُ اللّٰہِ الْمَتِیْنُ" اس سے اشارہ ہوگیا کہ اس سارے عمل یعنی مجاہدہ فی سبیل اللہ اور شہادت علی الناس کی ادائیگی کے لیے مرکز و محور دراصل قرآن مجید ہوگا۔ یہ مضمون ہمارے منتخب نصاب کے اسی جزو میں سورۃ الجمعہ کے ضمن میں تفصیل سے زیرِ بحث آئے گا۔ وَاٰخِرُ دعوانا ان الحمدُ للّٰہِ ربّ العالمین۔!

موجودہ سیاسی صورتحال اور ہمارا موقف

امیرِ تنظیم اسلامی کے خطاباتِ جمعہ کے 'پریس ریلیز' کے آئینے میں

احباب جانتے ہیں کہ مسجد دارالسلام کے خطاب جمعہ میں امیر تنظیم اسلامی بالعموم اہم دینی اور قرآنی موضوعات ہی کو مرکز گفتگو بناتے ہیں۔ تاہم کم و بیش ڈیڑھ گھنٹے پر محیط خطاب کے اختتام پر ملکی سیاسی صورتِ حال کے بارے میں مختصر اظہارِ خیال بھی اکثر شاملِ گفتگو ہوتا ہے۔ سیاسی صورتِ حال پر گفتگو عموماً دس منٹ سے متجاوز نہیں ہوتی۔ ہماری جانب سے اخبارات کو جو مختصر سا پریس ریلیز بھیجا جاتا ہے اس میں صحافیانہ ضرورت کے پیشِ نظر خطاب کے اسی آخری حصّے کو نمایاں جگہ دی جاتی ہے۔ اخبارات والے اس 'مختصر' پریس ریلیز میں بھی حسبِ ضرورت 'کانٹ چھانٹ' سے دریغ نہیں کرتے اور بعض اوقات یہ کانٹ چھانٹ اس درجے غیر معقول انداز میں کی جاتی ہے کہ نہ صرف یہ کہ ربطِ کلام پارہ پارہ ہو جاتا ہے بلکہ بسا اوقات بات بھی ادھوری سامنے آتی ہے —— چنانچہ بعض احباب کے توجہ دلانے پر ہم نے فیصلہ کیا ہے، کہ دورانِ ماہ ہماری جانب سے ارسال کردہ جملہ 'پریس ریلیز' کو 'میثاق' کے صفحات میں جگہ دی جائے گی۔ تاکہ ہمارا موقف صحیح سیاق و سباق کے ساتھ سامنے آسکے!

ادارہ

(۱)

فوج کو دستور کے مطابق اختیارات دیئے جائیں

(جمعہ ۱۶ جولائی کا پریس ریلیز)

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا ہے کہ فوج کا یہ مطالبہ بالکل درست ہے کہ اُسے سندھ میں امن و امان قائم کرنے کے لئے دستور کے مطابق مکمل اختیارات دیئے جائیں تاکہ وہ تخریب کاروں اور بدامنی پھیلانے والوں کی جڑ کاٹ سکے - انہوں نے کہا کہ فوج کی آمد سے حالات ظاہری طور پر بہتر نظر آتے ہیں' نفرت کی چنگاریوں پر راکھ کی ہلکی سی تہ آگئی ہے جنہیں ہوا کا معمولی سا جھونکا دوبارہ شعلوں میں تبدیل کر سکتا ہے - ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ اختیارات دیئے بغیر طویل عرصے تک فوج کو امن و امان بحال کرنے کے لئے استعمال کیا گیا تو اس سے فوج کے مورال کو نقصان پہنچے گا - انہوں نے کہا کہ وزیر اعظم نے پیپلز پارٹی کی صوبائی اور وفاقی حکومتوں کی ناکامی کا برملا اعتراف کرنے کے بعد فوج کو طلب کیا ہے لیکن اب وہ فوج کو پولیس کی طرح استعمال کرنا چاہتی ہیں - تنظیم اسلامی کے امیر نے کہا کہ علاقے کی سول انتظامیہ پر فوج کو قانونی بالادستی عطا کئے بغیر مطلوبہ مقاصد حاصل نہیں کئے جا سکتے -

باغ جناح میں نماز جمعہ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ گزشتہ ڈیڑھ سال میں جمہوری عمل کے نتیجے میں برسر اقتدار آنے والوں نے جمہوریت کو اتنا بدنام کر دیا ہے کہ بڑے بڑے جمہوریت پسند جمہوریت سے تائب ہو گئے ہیں لیکن اس کے باوجود میرا موقف یہی ہے کہ ہمارے ملک کی بقا جمہوریت سے وابستہ ہے - انہوں نے کہا کہ ہمیں پاکستان کی قدر کرنی چاہئے' یہ عالم اسلام کا واحد ملک ہے جہاں جمہوری آزادیاں موجود ہیں - ہم اپنی بلت آزادی سے کہہ سکتے ہیں' اپنے نظریات کی تبلیغ کے لئے جماعت سازی کر سکتے ہیں - اگرچہ پاکستان کو حقیقی استحکام تو اسلامی انقلاب کے بعد ہی حاصل ہو گا مگر فوری طور پر جمہوریت کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہیں آتا - ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ ہمیں انفرادی اور اجتماعی سطح پر اپنا احتساب کرنا چاہئے - آخر ہمارے دل اتنے سخت کیوں

ہوگئے ہیں کہ ہم دشمنوں کی طرح اپنے مسلمان بھائیوں کا خون بہانے سے گریز نہیں کرتے' ہم جمہوری نظام کو مستحکم کرنے کی بجائے بار بار مارشل لاء کو کیوں پکارنے لگتے ہیں- ہم کہاں سے چلے تھے اور اب ہمارا رخ کس طرف ہے؟

———(۲)———

پاکستان جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کا آخری حصار ہے

(جمعہ ۱۳؍ جولائی کا پریس ریلیز)

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا ہے کہ سندھ میں سیاسی عمل اور سول حکومت کی ناکامی کے بعد حالات اتنے مخدوش ہوگئے ہیں کہ قوم کے ذہین طبقے کو بھی کوئی مناسب حل سمجھ میں نہیں آرہا- فوج کو دستور کی دفعہ ۲۴۵ کے مطابق انتظامی اور عدالتی اختیارات دینے ضروری ہیں جن کے بغیر وہ مؤثر کام نہیں کر سکتی لیکن اس کے نتیجے میں بھی بالکل وہی ردِّ عمل ابھرنے کا اندیشہ ہے جس کا تجربہ ہم مشرقی پاکستان میں کر چکے ہیں اور بصورت دیگر اگر فوج کو واپس بلالیا جائے تو حیدر آباد آپریشن جیسے کئی آپریشن رونما ہونے کا خدشہ ہے- ہم ایک ایسی بند گلی میں پھنس چکے ہیں جس سے نکلنے کا راستہ نظر نہیں آتا- انہوں نے کہا کہ سرحد کے پار بھارت میں پوری جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے جو منصوبے بن رہے ہیں اُن کا تو ہمیں اندازہ ہی نہیں- جنوبی ہند کی مرہٹہ قوت جس کا سر اورنگزیب عالمگیر اور احمد شاہ ابدالی نے کچلا تھا ایک بار پھر منظم ہو کر مسلمانوں کے خلاف سرگرم عمل ہے-

دورۂ سپین کے تأثرات بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ ہسپانیہ کے مسلمانوں کی طرح ہم بھی اللہ کے شدید عذاب کی گرفت میں آسکتے ہیں- ہم نے اللہ سے بدعہدی کی اور آزادی کے چوالیس برس ذاتی مفادات کی نذر کر دیئے جبکہ آر' ایس' ایس اور بھارتیہ جنتا پارٹی کے ہندو دانشور سپین جاکر مسلمانوں کو مٹانے کے طریقوں پر تحقیق کرتے رہے- انہوں نے کہا کہ اگر ہندوستان میں مسلمانوں کے ہاتھ سے اقتدار براہ راست ہندوؤں کے قبضے میں جاتا اور انگریز کی صورت میں تیسری قوت بیچ میں نہ آتی تو ہندو

سپین کی طرح پورے برّ عظیم پاک و ہند سے مسلمانوں کے وجود کو مٹا چکا ہوتا۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ پاکستان جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کا آخری حصار ہے۔ اگر ہندو اس کے مزید حصے بخرے کرنے میں کامیاب ہو گیا تو اس برّ عظیم سے مسلمانوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ حالات کو سدھارنے کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ قومی سطح پر احتساب کا عمل شروع کیا جائے۔ سیاسی جماعتیں' رہنما' حکمران' دانشور' علماء اور عوام سب اپنا اپنا محاسبہ کر کے اپنے طرز عمل میں تبدیلی اور اصلاح کا آغاز کریں تو اب بھی تمام مسائل کا حل تلاش کیا جا سکتا ہے۔

(۳)

اسلامی حدود پر بے نظیر کا تبصرہ کلمۂ کفر ہے

(جمعہ ۲۰ جولائی کا پریس ریلیز)

اسلامی حدود پر وزیر اعظم بے نظیر کا تبصرہ کلمہ کفر ہے۔ اس سے پہلے سیکولر عناصر نے اسلام کے قانونِ شہادت کا بھی مذاق اڑایا تھا۔ ان خیالات کا اظہار امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے باغ جناح میں نماز جمعہ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ انہوں نے کہا کہ شریعت بل جس صورت میں بھی منظور ہو اُس سے نفاذ اسلام کی راہ میں ایک قدم آگے ہی بڑھے گا۔ البتہ اس موقع پر عوام کے مذہبی جذبات کو مشتعل کر کے انہیں سڑکوں پر لانا ملکی سالمیت کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ سندھ کے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ حیدر آباد میں قدم قدم پر فوج کی موجودگی کے باوجود تخریب کاری' دھماکوں اور فائرنگ کے واقعات نے ثابت کر دیا ہے کہ سندھ کا مسئلہ محض سڑکوں پر فوج کے گشت کرنے سے حل نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے کہا کہ اس سے نہ صرف فوج کا مورال تباہ ہو گا بلکہ عوام میں بھی مایوسی پھیلے گی اور انہیں تحفظ کا کوئی راستہ دکھائی نہیں دے گا۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ صدارتی آرڈیننس کے ذریعے ضابطہ فوجداری میں ترمیم کر کے حکومت فوج کو قانونی اختیار دینے پر آمادہ تو ہوئی ہے۔ یہ ایک درمیانی راستہ ہے خدا کرے کہ یہ مؤثر ثابت ہو۔

تنظیم اسلامی کے امیر نے علمارکرام اور دینی جماعتوں سے اپیل کی کہ وہ اپنی بیالیس سالہ کارکردگی کا جائزہ لے کر اپنے لئے نیالائحہ عمل طے کریں - انتخابی سیاست اور اقتدار کی جنگ میں شریک ہو کر انہوں نے آج تک کیا حاصل کیا ہے-ڈاکٹرا سرار احمد نے کہا کہ سیاسی جماعتوں کو اسلام اور پاکستان سے کوئی دلچسپی نہیں' وہ اپنی پالیسیاں اور پروگرام صرف حصول اقتدار کو پیش نظر رکھ کر بناتے ہیں - انہوں نے کہا کہ ممتاز دولتانہ اور ذوالفقار علی بھٹو یا وزیر اعظم بے نظیر اور سیدہ عابدہ حسین کی سیاست اور طرز زندگی میں کیا فرق ہے کہ ہم ایک کو اسلام دوست اور دوسرے کو اسلام دشمن قرار دیں-ڈاکٹرا سرار احمد نے کہا کہ دینی عناصر اقتدار پرست سیاست دانوں کی جنگِ اقتدار میں پاسنگ کی طرح استعمال ہو کر عوام کی اصلاح کا کوئی کام نہیں کر سکتے -

○

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے اشاعت کی جاتی ہیں۔ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

○

ضرورتِ رشتہ

تعلیم یافتہ معزز ارائیں خاندان کی ہمہ صفت بیٹی کے لیے سنتِ نبوی ﷺ کے مطابق شادی کرنے کے خواہش مند معتدل مذہبی مزاج ارائیں خاندان سے رشتہ درکار ہے۔

والدین پہلے ہی خط میں مکمل کوائف سے آگاہ فرمائیں۔

ع۔ ا

معرفت ماہنامہ 'میثاق' ۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور

ہم مغرب سے مقابلہ کرتے ہیں

....اور اُن ہی کی سرزمین پر!

ہم اپنے گارمنٹس، بیڈلینن اور ٹیکسٹائل کی دیگر مصنوعات مغربی ممالک، اسکینڈی نیوین ممالک، شمالی امریکہ، روس اور مشرقِ وسطیٰ کے ملکوں کو برآمد کرتے ہیں اور ہماری برآمدات میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ لیکن بیرونی منڈیوں میں اپنی ساکھ برقرار رکھنے کے لئے ہمیں انتھک محنت کرکے اپنی فنی مہارت اور معلومات میں مستقل اضافہ کرتے رہنا پڑتا ہے۔ ایسی محنت جو ہمیں رُک کر دم نہیں لینے دیتی ایسی محنت جو ہماری کارکردگی کے معیار کو اور بلند کرتی ہے، ایسی محنت جو کوالٹی ڈیزائن اور پابندیٔ وقت کے سلسلے میں کرم فرماؤں کے مطالبات اطمینان بخش طریقے پر پورا کرنے کا ہمیں اہل بناتی ہے۔

Made in Pakistan
Registered Trade Mark

Jawad ®

جہاں شرط مہارت
وہاں جیت ہماری

معیاری گارمنٹس تیار کرنے اور برآمد کرنے والے

الیسوسی ایٹڈ انڈسٹریز (گارمنٹس) پاکستان (پرائیویٹ) لمیٹڈ

IV/C/3-A ناظم آباد، کراچی - 18 - پاکستان - فون 610220-616018-628209
کیبل "JAWADSONS" ٹیلیکس 24555 JAWAD PK فیکس (92-21) 610522

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

VOL. 39 No. 8

AUGUST 1990

جام شیریں

ایک بوتل سے ۳۰ گلاس شربت

خالص اجزاء - بہتر شربت

ملک کا واحد شربت جس کی تیاری میں پانی کا ایک قطرہ بھی شامل نہیں۔
عام شربت میں پانی اور مصنوعی اجزاء استعمال ہوتے ہیں جبکہ قرشی کے جام شیریں
میں خالص اجزاء کے عرقیات استعمال کیے جاتے ہیں۔
خالص اجزاء کے عرقیات کے استعمال کی وجہ سے اس کا ذائقہ منفرد ہے۔ پینے سے طبیعت بھی بھاری
نہیں ہوتی اور دوسرے شربتوں کے مقابلے میں یہ پیاس بڑھاتا نہیں بلکہ پیاس بجھاتا ہے۔ جام شیریں گرمیوں
میں لُو سے بچاتا ہے تسکین بخشتا ہے اور مفرح قلب ہے۔ جام شیریں کی ایک بوتل سے بغیر چینی ملائے ۳۰ گلاس
شربت بنایا جا سکتا ہے۔ قرشی کا جام شیریں خالص اجزاء - بہتر شربت

قرشی

تحقیق کی روایت - معیار کی ضمانت